

شمس الاسلام

ماہنامہ

* بھیرہ (پاکستان) *

* * *

بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

مطابق ماہ نومبر دسمبر ۱۹۵۸ء

مرتبہ سید سیاح الدین کاکخیل

تحت ادارہ

غلام حسین | ام حزب الانصار بھیرہ | ابن رویمہ
مدیر مسئول | مولانا الحاج افتخار احمد اکوی | مالکہ چاند
(پاکستان)

سالا نہ چند

فی پرچہ

۳۷

شمس الاسلام

ہر انگیزی ماہ کی پانچ

تاریخ کو شائع

ہوتا ہے

مکتبہ سید سیاح الدین کا خیل

نمبر ۱۱

ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق نومبر دسمبر ۱۹۵۸ء

جلد ۲۹

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	تمنئے محمد (نعت)	احسان دانش	۳
۲	شدات	ادارہ	۴
۳	اسلام میں دینی زندگی کی حقیقت	سید ترجمان القرآن	۷
۴	اسلامی زندگی	مولانا احتشام الحسن صاحب	۱۷
۵	اسلامی تعلیمات	جناب زاہد حسین مرحوم	۲۳
۶	شیخ الاسلام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کے حالات	مرتب	۲۹
۷	ممنوعہ کی پیدائش اور وفات	ڈاکٹر شہید اللہ پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی	۳۶
۸	دربار نبوی کے معمولات	ملا دادی	۳۸

دائرہ میں شائع شدہ سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کار سالہ بذریعہ دی پی ارسال ہوگا۔
 سُرُخ نشان جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ ڈی پی آر بھیجیں۔ خریداری
 منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا ماویٰ پی واپس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت
 کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین منیر رسالہ)

باتیام غلام حسین ایڈیٹر پریس پبلشرز کی برقی پریس سرگودھا میں چھپکر دفتر حیدرہ شمس الاسلام جامع مسجد حیدرہ سے شائع ہوا

تمنائے محمدؐ

ہر صبح ہے نورِ رخِ زیبائے محمدؐ ہر شام ہے گیسوئے دل آرائے محمدؐ
 محشر سے ڈرے کیوں کوئی شیدائے محمدؐ محشر تو ہے اک جسدِ فردائے محمدؐ
 چھٹی نہیں نظروں میں دو عالم کی تجلی ہے جب سے تصور میں سراپائے محمدؐ
 آئینے میں خود آئینہ گر بول رہا ہے جو حکمِ خدا ہے وہی منشاءِ محمدؐ
 انساں کو اگر تربیتِ فکر و نظر ہو پھیلی ہوئی ہر سمت ہے دُنیاۓ محمدؐ
 فرشِ گل و لالہ سے کواکبِ جہاں تک تخلیقِ دو عالم ہے تقاضائے محمدؐ
 ایمانِ حقیقت میں ہے تصدیقِ رسالت قرآنِ شواہد میں ہے القائے محمدؐ
 کانٹے مرے تلووں کے لئے لالہ و گل ہیں گلشنِ ہے مے واسطے صحرائے محمدؐ
 سینے کے ہر اک داع نے کو دی ہے اپنا تک خاموش عزیز و مجھے یاد آئے محمدؐ
 کب سے درِ اقدس کو ہیں بتیاب نگاہیں کب سے مرے دل میں ہے تمنائے محمدؐ
 رقصاں و غزلخواں مری تقدیسِ جنوں ہے ہر سر کو میسر نہیں سودائے محمدؐ

دانش مری آدابِ محبت پہ نظر ہے

قبلہ ہے مرا نقشِ کفِ پائے محمدؐ

شذرات

پاکستان میں اصلاحی انقلاب

۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء

پاکستان میں بظاہر اچانک لیکن درحقیقت حالات کے طبعی نتیجے کے طور پر ایک اصلاحی انقلاب ہوا۔ اور جنرل محمد ایوب خان نے اپنے فوجی افسروں کے تعاون سے ملک کو اُن طاع آزمایا سیاست دانوں سے نجات دلائی۔ جن کی سازشوں، اکھاڑ پچھاڑ، اقربانوازی، خود غرضی، اور دسیہ کاریوں سے ہمارا ملک دن بدن تباہی کے گڑھے میں گرتا چلا جا رہا تھا۔ اور معاشرت و معیشت، سیاست و تجارت، مملکت کا امن و امان، اور اندرونی نظام سب کچھ برباد ہو رہا تھا۔ اس انقلاب کا سب سے بڑھ کر روشن اور اصلاحی پہلو یہ ہے

کہ ایک قطرہ خوں بہائے اور ایک گولی چلائے بغیر سارے نظام کو ہاتھ میں لیا گیا۔ وزراء اور نائب وزراء، کی فوج کو اقتدار کی گریلوں سے اٹھا کر اپنے گھر دے کر رخصت کر دیا گیا۔ اور ان کی جگہ ملک کا انتظام مارشل لا کے ماتحت فوج کے اُن افسروں اور حاکموں کو دیا گیا۔ جن کی دیانت و امانت، حُب و اخلاص اور سرفروشی و جان بازی پر پورا پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ نظام حکومت کے بدلنے کے ساتھ ہی غذاؤں، پوربازاری کرنے والوں، سمگلنگ کرنے والوں اور ذخیرہ اندوزوں اور حکومت کے مختلف ٹیکسوں کو دھوکہ اور فریب سے خرد برد کر نیوالوں کی چھان بین شروع ہوئی۔ فوجی حکومت کے اسی دور میں شریف اور نیک لوگ مطمئن ہوئے اور انہوں نے برتنوں کے بعد اطمینان کا سانس لیا اور جو لوگ مختلف طریقوں سے ملک کو ٹوٹتے اور اس کی معیشت کو تباہ دہرہ دہرہ کرتے تھے اُن کا یوم الحساب آگیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ واقعات سامنے آئے وہ سب کچھ تاریخی کرام کی نظر سے اخبارات کے ذریعہ سے گزر چکے ہیں۔

عام باشندگان ملک اس تبدیلی پر دل و جان سے خوش و غرم تھے، اس کو رحمت خداوندی کا ایک مظاہرہ سمجھ رہے تھے۔ اور یہ یقین کرنے لگ گئے تھے کہ اب ملک کا نقشہ بدل جائے گا۔ برائیوں کا قلع قمع ہو جائیگا۔ اور نیکی و شرافت کو پھیلے اور پھیلنے کا موقع ملے گا۔ مگر تمام سیاستدانوں کے اقتدار و اختیار سے محروم ہو جانے کے باوجود ان کے سرخیل

جناب مرزا سکندر صاحب گادو اور بہ حیثیت صدر مملکت کئی اقتدار پر قبضہ ایک ایسی صورت حال تھی کہ اس اصلاحی انقلاب کی وجہ سے پیدا ہونے والی خوشیوں کو بے لطف کر دیتی تھی۔ اور عام باشندگان کا متفقہ احساس یہ تھا کہ مرزا سکندر صاحب کا وجود ملک کے حقیقی ہی خواہ جنرل محمد ایوب خان اور اس کے رفقاء کے نیک عندائے اور مفید اقدامات کے لئے ہر موقع پر رکاوٹ بنا رہے گا۔ اور یہ حضرات اپنی اصلاحی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ چنانچہ جنرل محمد ایوب خان کو ان احساسات کا علم ہوا۔ وہ ایک مرد میدان سپاہی بھی ہیں اور بہین و ذکی بھی۔ اس لئے انہوں نے خود بھی محسوس کیا۔ کہ ملک میں پائیدار اور حقیقی انقلاب تب لاسکون گا اور تطہیر تب ہو سکے گی جب کہ مرزا صاحب کے بھی رخصت دیدی جائے۔ چنانچہ مرزا صاحب کو بھی رخصت کر کے اس انقلاب کی تکمیل کر دی۔ اور اس کے بعد جنرل محمد ایوب خان خود صدر مملکت بنے۔ اور ملک کے قابل ترین اور مخلص حضرات نے وزراء کی حیثیت سے نظام مملکت کو خوش سہولتی کے ساتھ چلانے کے لئے اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے کا عہد کر دیا اور اب جنرل محمد ایوب خان کی صدارت میں منتخب اور ماہر وزراء کرام کی کابینہ سیاست دانوں کی جھیل کی ہوئی تمام خرابیوں کی اصلاح کیلئے مصروف عمل اور سرگرم کار ہے۔

نے لاکھوں من گندم کے چھپے ہوئے ذخیروں کا اعتراف کیا۔ اور ملک میں گندم کی فراوانی ہو گئی۔ یہاں کی گندم مختلف طریقوں سے سرحد کو پار کر کے پڑوسی ممالک کے کام آتی تھی اور یہاں کے رہنے والے دانہ دانہ کو ترستے تھے۔ اور خود کثیر زر مبادلہ خرچ کر کے دوسرے ملکوں سے منگانا پڑتا۔ اب وہ صورت حال ختم ہوئی۔ اور انشا اللہ تعالیٰ گندم اور دوسری غذاؤں کی کوئی کمی نہیں آئے گی۔

(۵) غیر ممالک سے ریشمی کپڑا لاکھوں روپیہ کا خفیہ طریقوں سے کیا، ہمارے سابق وزیر اور ممبران اسمبلی کی "مہربانیاں" اور انتظامیہ کی غرابیوں اور اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے حکم کھلا خلاف قانون طریقوں سے اتار رہا اور دکانیں بھری ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ جو ذریعہ کے تقرب کی وجہ سے قانون کی زد سے مطمئن تھے پوری سینہ زور کے ساتھ یہ چوری کرتے اور گراں قیمتوں پر یہ کپڑا فروخت کر کے قومی معیشت کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ حکام مارشل لا کے آرڈر ہی کے ساتھ لاکھوں روپیہ کا کپڑا ہر شہر میں رضا کارانہ طور سے ان لوگوں نے پیش کیا۔ اور جنہوں نے کچھ شوخی دکھائی اور کچھ داؤ کھینچا جا ہ قانون نے ان کی خبری گرفتار ہوئے، ذیل درجہ ہوئے اور لاکھوں روپیہ جرمانہ بھی ہونا پڑا۔ بامشقت قید میں بھی پڑے رہیں گے۔ اور بہتوں کے مقدمات ابھی جاری ہیں۔ مارشل لا کی برکت سے بہت سرکشوں کی گردنیں ناپی گئیں۔ اور بہت سے مزدور و منکبڑ اپنے اگر گزوں سے رہ گئے۔

(۶) قتل و غور و زنی اور ڈاکہ چوری اور بد معاشی کے واقعات میں نمایاں حد تک کمی واقع ہو گئی ہے۔ بلکہ بعض اضلاع کی رپورٹ ہے کہ وہاں اس دوران میں کوئی حادثہ ہوا ہی نہیں۔ وہ لوگ جن سے شرفاً اور خدا ترسی پڑوسی ہر وقت جان و مال اور عزت و آبرو کا خطرہ رکھتے تھے کو نون میں دیک کر بیٹھ گئے۔ اور شریفوں کو کچھ اطمینان حاصل ہوا۔

(۷) مارشل لا سے قبل درحقیقت "بڑے لوگوں" کی سرپرستی

۸ اکتوبر سے لے کر آج ۳ نومبر تک مارشل لا کے نفاذ کے اس دوران میں جو حالات و واقعات ظہور میں آئے ان کی تفصیلات کا اعادہ مقصود نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان واقعات سے جو عبرت خیز نتائج نکلتے ہیں قارئین کرام کو ان کی طرف متوجہ کر دیں۔ مارشل لا کے حکام نے جب غلطی نہ جلد جہد شروع کی اور صدق نیت کے ساتھ ارادہ کیا کہ یہاں کی خرابیوں کی اصلاح کی خاطر کچھ عملی اقدامات کریں تو انہوں نے سول انتظامیہ کو اپنے فرائض کا احساس دلایا۔ اور وہ تمام محکمے جو غور و غرض اور جاہ پسند وزراء کے زمانہ اقتدار میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے سے بہ وجہ قاصر تھے اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ قوانین و ضوابط تو پہلے بھی موجود تھے مگر ان کو عملی طور پر نافذ کرنے والی قوت محکمہ نہیں تھی۔۔۔۔۔ مارشل لا کی قوت حاکمہ نے چاہا کہ اس طرح قوانین کی بے حرمتی نہ ہو کہ روز روشن میں ملک دشمن اور معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے والے عناصر ان قوانین کی پامالی کر کے مجموعی طور پر مملکت کو تباہ و برباد کریں چنانچہ قانون کو عملاً نافذ کرنے کے لئے اقدام کیا گیا تو چند ہی روز میں

۱) بلیک مارکیٹ کرنے والے بڑے بڑے "بہر فن" گرفتار ہوئے

۲) سمگلر گرفتار ہوئے شروع ہوئے۔ غیر ممالک کی کرنسی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دستیاب ہونے لگی۔ سمگلروں کے "بادشاہ" عبوس ہوئے، ویرانوں، کھیتوں، اور جنگلوں میں لاکھوں روپے کا سامان برآمد ہوا۔

(۳) سمندر سونا اگلنے لگا۔ ۴ من۔ ۵ من۔ ۱۱ من پھر ۱۴ من۔ اور آج کی خبر ہے کہ مزید ۱۴ من سونا سمندر کی تہوں سے نکالا جا رہا ہے جس کی مالیت لاکھوں روپیہ ہے۔ اور اس طرح خزانہ مملکت بھرنا چلا جا رہا ہے (۴) بڑے بڑے سابق وزیروں، ممبران اسمبلی اور بڑے زمینداروں

اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے غنڈہ عنصر کی جرأتیں اس حد تک بڑھ گئی
تھیں کہ بھرے بازاروں اور کھلی سڑکوں پر مستزرات کا حیا داری کے
ساتھ گزرنا مشکل ہو گیا تھا اور آسے دن اغوا اور جبر و زبردستی
کے نہایت گھناؤنے واقعات ظہور پذیر ہوتے تھے۔ اس فاجشتہ مبینہ
کے باوجود انتظامیہ کو ایسے مجرموں کی سرکوبی میں ناکامی ہوئی تھی کیونکہ
بڑے بڑے بااثر لوگ ان کی پشت پر تھے۔ لہذا بے بس عرائین اور بایا
مستزرات کے لئے مارشل لا ایک رحمت خداوندی ثابت ہوئی اب اس
غنڈہ عنصر کو اور ان کے پشت پناہ "بڑوں کو یہ جرأت نہیں کہہیں اس
قسم کی دست دراندازی کر سکیں۔ اور اگر کوئی بدبخت اب بھی اپنی شیطنت
سے نہ رکے گا تو اللہ تعالیٰ کیفر کردار کو پہنچاگا اور عبرت ناک سزا پائیگا
(۸) بازاروں میں اب خالص دودھ، خالص گھی، خالص ملدی،
اور دوسری غذائیں بالکل خالص ملنے لگی ہیں اگرچہ وقتی طور پر ذخیرہ
اندوزوں اور ناجائز نفع خوروں کی غلط ذہنیت کی وجہ سے ان اشیاء
ضرورت کی آمد بازاروں میں کم مقدار میں ہے اور کچھ لوگ پریشانی
محسوس کرتے ہیں لیکن یہ بالکل عارضی شے ہے۔ آخر کار ان لوگوں کو
مجبور ہو کر راہ راست پر آنا ہوگا۔ اور ملک میں یہ تمام غذائی اشیاء
افراط کے ساتھ اور خالص ملنی شروع ہو جائیں گی۔

(۹) ہمارے ملک کی ساری تجارت ایسی غلط بنیادوں پر قائم تھی
جس میں اول سے لے کر آخر تک حوکم ہی دھوکہ، اور فریب، ہی
فریب تھا۔ زراعت و زراعتوں اور راتوں رات دو تہہ بننے کا نام اور اجڈ بن
حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خاطر ہمارے تجارتی برخلاف شریعت اور
ہر خلاف مروت و شرافت کام کیئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ اس طریقہ
سے چند حضرات تو تاروں بنے گئے لیکن عام صافین کی قوت خرید
نہایت بُری طرح متاثر ہوئی رہی۔ اور ملک میں ایک عام بے چینی اور
پریشان حالی موجود تھی۔ مگر اصلاح احوال کے لئے کسی کوشش کی
طرف توجہ ہی نہیں کی جاتی تھی۔ مارشل لا کے نفاذ کے بعد حکام نے
غلط ذہنیت رکھنے والے صنعتکاروں اور تاجروں کے اس مذموم جذبہ

کو پامال کرنے کی کوشش کی اور انکو بھجایا کہ اب اس ملک میں ناجائز
نفع اندوزی کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اور کسی قسم کے دھوکہ اور فریب
کو نہیں چلنے دیا جائے گا۔ طوعاً و کرہاً ان حضرات کو اپنے رویے پر
نظر ثانی کرنی پڑی اور پاکستانی مصنوعات کے نرخوں میں کمی حد تک
کمی آگئی ہے اور دن بدن قیمتیں اُپرے جانے کا رجحان تو یکسر ختم ہو گیا
(۱۰) حکومت کے مختلف قسم کے واجبات سالہا سال سے لاکھوں روپیہ
کی مقدار میں ہر شہر اور علاقہ میں لوگوں کے ذمہ باقی تھے۔ اور یہ
ناوند حضرات عام غریب اور محتاج لوگ نہیں تھے بلکہ اکثر وہی لوگ
تھے جو بڑی بڑی جائیدادیں، جاگیریں کے مالک، اور لاکھوں اور
کرڑوں کا کاروبار کر رہے تھے۔ مگر کسی وزیر، نائب وزیر، یا سیاسی
لیڈر کے ساتھ رشتہ اور تقرب کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ حکومت کو ہم
کسی قسم کے مطالبہ کا کیا حق ہے اور اس طرح حکومت کے عوامی عزائم
کی رقم کرڑوں کی تعداد میں غصب کیے ہوئے تھے۔ مارشل لا کا فوری
ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان غاصبین سے ٹیکسوں کی وہ کثیر ترغیں بیکدم
وصول ہونا شروع ہو گئیں۔ اور انکم ٹیکس کے سلسلہ میں جو کچھ بدعنوانیاں
اب تک کی گئی تھیں ان کی بھی تلافی ہو رہی ہے، بہت سادہ گذشتہ
کا دبا ہوا بھی نکل آئے گا اور آئندہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ
قطعاً کسی ہیرا پھیری کی گنجائش نہ ہوگی۔

الخروج کیا رہ سال کے تاریک ماضی کے بد روشنی کی جو کرن
جنرل محمد ایوب خان کی صدائیں اصلاحی انقلابی نظام کی شکل میں
نمودار ہوئی ہے اسکی برکت سے حال "تو کافی حد تک روشن ہو گیا ہے اور
"مستقبل کے بارے میں بھی بہت سی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ خدا
کرے کہ یہ توقعات پوری ہو جائیں اور پاکستان حقیقی معنوں میں پاک
لوگوں کی ایک پاکیزہ بستی بن جائے۔ اور یہاں کے مسلمان صحیح اسلامی تعلیمات
کے مطابق خداوند تعالیٰ کی غلامی میں رہ کر سر غیر اللہ سے آزاد پاکیزہ
زندگی گذار سکیں اور ان کو اپنے ملک میں چین اور راحت کی یہی زندگی
نصیب ہو جس میں وہ آخرت کی حقیقی زندگی کے لئے نیک اعمال کا دافتر بنیں

اسلام میں دنیوی زندگی کی حقیقت

مدیر ترجمان القرآن نے ماہ ستمبر کے اشعارات میں مندرجہ ذیل مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت کی بنا پر اس وفد ہم قارئین شمس الاسلام کی خدمت میں غور و غوض کے ساتھ پڑھنے کیلئے پیش کرتے ہیں۔ (مرتب)

الْأَمْتَعُ (۳: ۱۳) کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اور یہ دنیوی زندگی (ذی نفسہ) إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَاوَاتُ ہ اور اصل زندگی تو عالمِ آخرت ہی ہے۔ کاش ان کو اس حقیقت

کا علم ہوتا۔ (۶-۲۹)

اسی حقیقت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ حَضْرَتَ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ لَا عِيشَ إِلَّا فِي الْآخِرَةِ (متفق علیہ) تو آخرت کی زندگی ہے۔

وَعَنْ الْمُسْتَوْدِ بْنِ شَدَادٍ حَضْرَتِ مُسْتَوْدِ بْنِ شَدَادٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَوَيْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: اللَّهُمَّ لَا عِيشَ إِلَّا فِي الْآخِرَةِ (متفق علیہ) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخرت

دوسلما دنیا فی الاخرة کے مقابلے میں دنیا کو ایسی ہی الامثل ما يجعل احدکم نسبت ہے جیسے سمندر میں اصبعہ فی الیمہ فلینظر کوئی اپنی انگلی ڈالے۔ اور دیکھے لمحیرج (رواہ مسلم) کہ اس پر کیا تری لگی ہوئی ہے۔

قرآن پاک کی یہ آیات اور سرورِ کائنات کی یہ تصریحات

ترجمان القرآن کی دو مختلف اشاعتوں میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ایک مومن کا اپنے رب کے ساتھ، اور اس ذاتِ پاک کے ساتھ جس نے ہم اپنے خالق اور مالک کے وجود کا صحیح شعور اور احساں بخش ہے۔ کیا تعلق برپا نہیں ہے۔ اس اشاعت میں ہم اس سلسلہ بحث کی آخری کڑی یعنی اس دنیا اور اس کے مال و متاع سے انسان کے تعلق کی نوعیت پر چند معروضات پیش کریں گے۔

اس دنیوی زندگی پر بحث کرتے ہوئے اسلام میں سب سے پہلے اس کی اصل حقیقت سے روشناس کرنا ہے۔ کیونکہ زندگی کے بیشتر فتنے ایسے ہیں جو اس کو صحیح طور پر نہ جاننے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں سب سے پہلی ہدایت جو اس نے فرمائی ہے وہ یہ ہے۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ دُنْیَا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک وَلَهْوٌ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ تماشا ہے، حقیقت میں آخرت لَکَذَٰلِكَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَتَّقُونَ ہی کا مقام اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو دنیاں کا ری سے بچنا چاہتے ہیں۔ پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لو گے (۴: ۶)

آخرت کی قیام گاہ خدا ترس لوگوں کے لئے بہتر ہے کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔ (۲۱: ۷)

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَکَذَٰلِكَ يَتَّقُونَ اور یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَکَذَٰلِكَ يَتَّقُونَ اور یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت

سب اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ ایک مومن و مسلم کی اصل زندگی اس عارضی زندگی کے بعد شروع ہوتی ہے لیکن چونکہ اس حیاتِ جادوئی کا راستہ اس عارضی زندگی کے بیابانوں میں سے گزر کر جاتا ہے۔ اس لئے ایک سمان اس بات کے لئے مجبور ہے کہ وہ اسے طے کرے۔ گمراہ سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ یہ خیال ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دیکھو کہیں اس زندگی کی رنگینیاں اور دلچسپیاں تمہیں مفتوح نہ کر لیں۔ اور تم اس کے مکر و فریب میں نہ گمراہ ہو اسے ہی منتہی کے مقصود نہ سمجھ بیٹھو۔ قرآن حکیم اور احادیث میں اس حقیقت کی طرف مختلف طریقوں سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَتُهُمْ فِيهَا يُفْرِحُونَ وَتَلَاكُمُ الْمَوْتُ وَتَكُونُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَلٍ عَيْنٌ أَجْبَىٰ الْفَخْرِ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْأَخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ مَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْعُرُورُ۔

معرفت اور رضامندی ہے اور (۳: ۵۷)

دنوی زندگی تو محض دھوکے کا

سبب ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَخْرُجْ تَكْمُلُ اللَّهُ لِي

لے اہل ایمان بیشک اللہ کا وعدہ سچا اور برحق ہے۔ (خبردار)

تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ

الْعُرُورُ

(۱: ۳۵)

ڈال دے اور تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ کے معاملے میں کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَتْرَكْتُمْ مِنَ السَّمَاءِ فَخَسَّتْ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُوا عَلَىٰهَا أَسْهَأَ أَمْرًا لَّيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَلَّهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبْ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ وَاللَّهُ يَدْعُنَا إِلَىٰ حَارِ السَّلَامِ

(۳-۱۰)

کیا دین کو ہمارا حکم آگیا اور ہم نے اسے ایسا غارت کر کے دکھ دیا کہ گویا کل دہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم نشانیاں کھیل کھیل کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں (تم اس ناپائیدار زندگی کے فریب میں مبتلا نہ رہو) اور اللہ تمہیں دارالسلام کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

ذَٰلِكَ لِنَبِّئَاسٍ حُبِّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ

لوگوں کے لئے مرغوباتِ نفس عورتیں، اولاد، سونے چاندی

تَعْرِید کے مطابق ٹیڑھا ہو جائے۔ یہی لوگ کھلی گراسی میں مبتلا ہیں۔ (۱:۱۴)

پھر اسی بات کو ایک دوسرے پر لے میں یوں بیان کیا گیا ہے
 مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ
 عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ
 لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ
 جَهَنَّمَ يَصِلُهَا مَذْمُومًا
 مَذْمُورًا، وَمَنْ أَرَادَ
 الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا
 وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ
 كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا

(۲: ۱۷۷)

جو کوئی عاجلہ کا خواہشمند ہو
 اسے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو
 کچھ چاہیے دینا چاہیں، پھر اس
 کے مقصود میں جہنم لگا دیتے ہیں جسے
 دُعا پانے کا لامت زدہ اور محنت
 سے محروم ہو کر اور جو آخرت کا
 خواہشمند ہو اور اُس کے لئے سہی کوشش
 جیسی کہ اُس کے لئے سہی کرنی چاہئے
 اور وہ سو مومن، تو ایسے ہر شخص
 کی سہی مشکور ہوگی۔

حضرت سرورِ دعو عالم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ اس دُنیا اور اس کے فوائد و لذائذ کے بائے میں جو احساسات رکھتے ہیں ان کو مندرجہ ذیل واقعات سے اچھی طرح معلوم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عمرو بن عوف انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو جزیرہ لینے کے لئے بحرین بھیجا۔ وہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار نے سنا کہ حضرت ابو عبیدہ آگئے تو انہوں نے نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سامنے آئے، آپ اُن کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا، ابو عبیدہ بحرین سے کچھ لائے ہیں۔ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔

ان بشروا واصلوا مایہکم
فواللہ ما الفقر احشی علیکم
والکفی احشی ان یبسط اللہ

اَلْمَقْطَرَةُ مِنَ الذَّهَبِ
 وَالْفُضَّةِ وَالْحَبْلُ الْمُتَوَمَّةُ
 وَالْأَعْلَامُ وَالْحَوْثُ ط
 ذَالِكَ مَتَلَعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 وَاللَّهُ عِنْدَهُ آخِرُ الْمَآبِ
 (۳-۳)

قرآن مجید نے صرف اس دُنوی زندگی کی بے حقیقتی کی وضاحت کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے داشکاف الفاظ میں یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ اس زندگی پر راضی ہو گئے اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے چنانچہ سورۃ یونس میں بالکل واضح الفاظ میں کہا گیا ہے :-

اِنَّ الدِّينَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا
 وَكَرِهُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 وَادَانَا فَوَابِحًا وَالَّذِينَ
 هُمْ عَنِ النَّبَاِ غَفْلُونَ -
 اذْلِكَ مَا وَلَّهُمُ النَّارَ
 بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ -
 حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے
 ملنے کی توقع نہیں رکھتے۔ اور دنیا
 کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے
 اور جو ہماری نشانیدوں سے غافل
 ہیں، اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہو گا
 اُن براہیوں کی پاداش میں جن کا
 اکتساب وہ اپنے اس غلط عقیدے
 اور طرز عمل کی وجہ سے کرتے تھے

اسی طرح دنیا پرستوں کو گمراہ ٹھہراتے ہوئے انہیں ایک دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَوَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ
عَذَابٍ شَدِيدٍ ۚ الَّذِينَ
يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
عَلَى الْآخِرَةِ ۖ وَكَفَّ مَوْنُ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا
عِوَاطٍ ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ

کا اور دھنا بچھنا تھا اور اس کام میں اُن کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ دُنیا کے ہر انہماک کو اس پر رشک آتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسالہ کتاب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بیشتر صحابہؓ نے اپنی مقدس زندگیوں کو انتہائی فقر و فاقہ میں بسر کیا۔ حضور سرور کائنات نے اس فقر کو اپنی محبت کی ایک بڑی علامت بتایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: دیکھو کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا: خدا کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں (تین مرتبہ اسے دہرایا) آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لئے تیار ہو جاؤ بیشک جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ فقر اس کے پاس سیلاب سے بھی زیادہ پہنچتا ہے۔

حضور کی اپنی زندگی جس عسرت سے گزری اُس کے نقوش تاریخ کی لوح پر ابھی تک محفوظ ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ ہم یہاں صرف چند واقعات نقل کرتے ہیں جن سے اس امر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضور اس زندگی کو فی الحقیقت کیا حقیقت دیتے تھے۔

ایک بار حضرت عمرؓ کا شانہ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں ہے، جسم مبارک پر تہ بند کے سوا کچھ نہیں۔ پہلوؤں پر نشان پڑ گئے ہیں۔ توشہ خانہ کا جائزہ لیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی مٹی بھر جو کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ ہتھکڑی سے بے ساختہ آنسو نکل آئے، ارشاد ہوا کہ عمرؓ کیوں روتے ہو؟ بولے کیوں نہ روؤں، آپ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسری دین کے مزے اڑا رہے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ ہمارے لیے آخرت اور اُن کے لیے دُنیا ہو؟

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ

علیکم السلام بسلط علی من کان قبکم فتنافسوا کما تافسوها فتنہکم کما اہلکمتم (متفق علیہ) تھی تو جیسے ان کو ہلاک کیا کہیں تم کو بھی ہلاک نہ کر دے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے اور ہم سب آپ کے گرد بیٹھے تھے آپ نے ارشاد فرمایا۔

ان ما احاط علیکم بعدی بحیثیہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں میرے ما ینفخ علیکم من زہر اللہ بعد تم پر دُنیا کی آگوش اور اُس وزینتھا (متفق علیہ) کی زینت کھول نہ دی جائے وعن کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لكل امة فتنۃ وفتنة امتی المال میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)

اس زندگی کو بے حقیقت اور فانی اور موت کے بعد کی زندگی کو ابدی اور جاودانی سمجھنے کا نتیجہ یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان شار صحابہؓ ہمیشہ اس مادی دُنیا کی لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ وہ دینا دی متاع پر ہر قسم کی دسترس رکھنے کے باوجود ایسی فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے جس کی مثال تارک الدنیا راہب اور صحرائین زاہد بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اُن کے دلوں میں کبھی یہ خیال تک بھی نہ آتا کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پُر راحت اور پُر آسائش بنانے کی کوشش کریں۔ ان کی ساری دلچسپیاں صرف آخرت کو سنوارنے میں صرف تھیں۔ اقامت دین کا کام ہی اُن

تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی آدمی کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی شخص آپ کے پاس نہ تھا، میں نے عرض کی یہ آپ کس کو دھکیل رہے ہیں۔ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی تھی، میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ وہ ہٹ گئی، مگر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کے نکل جائیں گے تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔“ مجھے یہی واقعہ یاد آگیا اور میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے چٹ نہ جائے۔

رسول امین کے اس بار غار نے وفات سے کچھ عرصہ پہلے ارشاد فرمایا "بیت المال کے وظیفہ کا حساب کیا جائے جو میں نے آج تک وصول کیا ہے جب اس حکم کی تعمیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ رقم کل چھ ہزار و ہجڑ سو روپے بنتی ہے۔ صدیقی اکبر نے حکم صادر فرمایا کہ میری زمین فروخت کر کے یہ رقم

ادا کر دی جائے۔ اسی وقت زمین فروخت کی گئی اور بیٹ بیت المال کے بارے سے بالکل سبک دوش کر دیا گیا۔ آپ کے خلافت قبول کرنے کے بعد آپ کے مال میں جو اضافہ ہوا تھا اس میں ایک حبشی غلام، ایک چادر اور ایک اونٹنی تھی۔ ان کے متعلق ہدایت کی میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ دقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔ رحلت مبارک کے بعد جب یہ سامان خلیفہ ثانی نے منگے سامنے آیا تو آپ بے اختیار رو پڑے کہا: اے ابوبکر! تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے ہو۔

آپنے وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ عرض کیا تین کپڑوں میں ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ یہ دو چادریں جو میرے بدن پر ہیں، دھولی جائیں اور ایک کپڑا بنالیا جائے حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جائیدادیں نہ بناؤ، تم کو دنیا کی غربت ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اور ہم اپنے ایک پھپر کی مرمت کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ "میں دیکھتا ہوں، کہ موت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔"

حضور نے جس انداز سے زندگی بسر کی اس کے متعلق ان کی رقیقہ عیسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہادت یہ ہے کہ آنحضرت کے گھر والے دو دن متواتر جو کئی روٹی سے سیر نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

جب مخدوم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہونے لگے۔ اس وقت کاشانہ نبوی کی ساری دولت صرف سات دینا تھی۔ ان کے بارے میں بھی حضرت عائشہ سے فرمایا۔ انہیں غریبوں میں تقسیم کر دو، مجھے شرم آتی ہے کہ رسول اپنے اللہ سے ملے۔ اور اس کے گھر میں دولت دنیا پڑی ہو۔ اس ارشاد کی تعمیل کے بعد گھر کی حالت یہ ہو گئی کہ دونوں جہاں کا سردار دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل تک موجود نہیں۔ چنانچہ روشنی کرنے کے لیے تیل ایک پڑوسی عورت سے اُدھا لینا پڑا

حضور سرور دو عالم کے وصال کے بعد آپ کے رفقاء کار رضی اللہ عنہم نے ایک لمبی مدت تک اسی انداز زندگی کی نہایت سختی سے پیروی کی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دن اپنے کا پانی مانگا تو لوگ شہید کا شربت لے آئے پانی سے منہ لگا کر ہٹا لیا اور رونے لگے جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی رو پڑے۔ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے پھر دوبارہ رونا شروع کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آخر آپ کیوں روئے فرمایا۔ میں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

وہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ سواری میں ڈنٹ سرکھلا تھا۔ پاؤں کے لیے رکاب بھی نہیں۔ جو ڈنٹ کانگریس و ہائی سمنے کا بستر، سامان کی جو خرابی وہی سرکانگریس۔ بدن پر گری کر رہے جو پہلو سے پھٹا ہوا۔ اس شان سے وہ سفر کر رہا ہے۔ جو روئے زمین کا سب سے طاقتور حکمران ہے۔

عائشہ صدیقہؓ نے وردمندانہ کہا: ابا جان! ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔ ارشاد فرمایا: بیٹی! نئے کپڑوں کی مردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ میرے لیے یہی پھٹا پرانا ٹھیک ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے ایک رفیق ضرار بن عجز سے کہا کہ علیؓ کا حال بیان کرو، انھوں نے معذرت کی۔ لیکن جب حضرت معاویہؓ نے اصرار کیا تو انھوں نے جو کچھ بیان کیا اس سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فدائی اس زندگی کے بارے میں کیا طرز عمل رکھتے تھے۔ ضرار نے کہا:

ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی، اور رات اور اس کی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں پر اشک رہا کرتی

تھیں۔ ایک لمبے فکر اور سوچ میں رہا کرتے، لباس وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دلی کو بھاتا جو معمولی اور سادہ ہوتا۔ بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے۔ ہم میں اور ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا، جب ہم کچھ پھتے تو جواب دیتے جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے جب ہم بلا تے تو وہ بے تکلف آ جاتے لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے اس کے باوجود عیب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے تھے، اور خود چھپر کر بات نہ کر سکتے، دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔ اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے، طاقتور کو ان سے کسی چیز کی امید نہ ہوتی۔ اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتے، بخدا میں نے انھیں بعض مواقع پر اس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد کے واقعات سے کون شخص ناواقف ہے۔ اگر کوئی پر تکلف کھانے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں قیامت میں مجھ سے یہ نہ کہا جائے کہ (اذہبتم طیباً نکم فی حیاتکم) الدنیا واستمتعتم بھا۔ (تم اپنے سارے مزے دنیا میں اڑا چکے ہو اور ان کا لطف اٹھا چکے ہو) کوئی اگر لذیذ کھانا پیش کرتا تو پوچھتے کہ کیا سارے مسلمان یہ کھاتے ہیں۔ نفی میں جواب ملنے پر اس کو ہاتھ نہ لگاتے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت خفصہؓ

دونوں نے مل کر کہا: امیر المؤمنین! خدا نے آپ کو مرتبہ دیا ہے شہنشاہوں کے سفیر آپ کے پاس آتے ہیں، اب آپ کی اپنی معاشرت بدل دینی چاہیے۔ فرمایا: افسوس ہے تم دونوں رسول اللہ کی ازدواج ہو کر مجھے دنیا طلبی کی ترغیب دے رہی ہو؟ اے عائشہ! تم رسول کی حالت کو بھول گئیں جبکہ گھر میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اسی کو آپ ان کے وقت بچھاتے تھے اور اسی کو رات اور چھتے تھے اے خفصہ! کیا تمہیں یاد نہیں جب ان کے پاس رسول اللہ کے بستر کو دوہرا کر کے بچھایا تو آپ ان بھر سوئے رہے پھر صبح اٹھتے ہی حضور نے ارشاد فرمایا: ”خفصہ! یہ تم نے کیا کیا کہ میرے بستر کو دوہرا کر دیا اور میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی آسائشوں سے کیا لعلق؟ تم نے فرض نرم کر کے مجھے کیوں غافل کر دیا؟“

بیت المقدس کا شاہانہ اور فاحشہ سفر جس شان سے فرمایا

اور ان کا ستیاناس کریں تو وہ اتنے خطرناک نہیں جتنی آدمی کے دین کے لیے دولت و عزت کی حرص خطرناک ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فتنہ دنیا سے محفوظ و مامون رہنے کے لیے اپنے رب سے بڑی ہی دلجوئی سے یوں التجا کیا کرتے تھے۔

لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبْرَ هَمِّنا وَلَا تَصْلُحْ عَلَمانَا وَلَا غَايَتَهُ رَغْبَتَنَا وَلَا تَهْطِطْ عَلَمانَا وَلَا تَرْحَمْنَا۔

اور دنیا کو نہ ہمارا مقصودِ عظیم بنا، اور نہ ہی ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہی ہماری رغبت کی منزل مقصود اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نامہربان ہو۔

اس چند روزہ زندگی کے بارے میں جب کوئی شخص یہ طرزِ فکر اختیار کرتا ہے تو اس سے نہ صرف اُس کی نظر میں آخرت کے مقابلے میں دنیا بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ خدا کی عظمت اور کبریا کی سامنے اسے اپنی ناتوانی و بے توانی، فقر و احتیاج، عجز و مسکنت کا شدید احساس ہوتا ہے وہ پھر اپنے آپ کو اس کائنات کا مرکز نہیں سمجھتا بلکہ ہمیشہ ایک فقیر بے لڑا کی حیثیت سے دیکھتا ہے وہ اپنے افعال و اعمال پر اترانے کی بجائے خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی کا طلبگار رہتا ہے۔ اس کائنات کے اندر آخر حضور سرورِ دو عالم سے زیادہ کون سی بات زیادہ پاک اور مقدس ہو سکتی ہے مگر دیکھئے کہ حضور بھی اس کائنات کے خالق کے سامنے اپنی بے بسی کا کس طریق سے اظہار فرماتے ہیں۔

اللّٰهُمَّ اِلٰہُ اشْکُو ضَعْفَ اِلٰہِیْ کُذُوْیْ بے سرو
قوتی و قلة حیلتی دھوا نی علی سامانی اور لوگوں کی حقیر
الناس و المستضعفین الحسن کی بابت تیرے سامنے

وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے۔

ڈال دیئے تھے اور تارے ڈھل گئے تھے۔

اپنی محراب میں کھڑے تھے، ڈاڑھی پکڑے ہوئے

مارگزیدہ کی طرح ٹپتے تھے اور اس طرح۔

روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو گویا کہ

میں سن رہا ہوں اور وہ کہ رہے ہیں، اے

دنیا! اے دنیا! کیا مجھ سے چھپر کرنے چلی ہو

اور مجھ پر تیری نظر ہے۔ اس کی امید نہ کرنا،

کسی اور کو قریب دے میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا

ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا، تیری عمر مختصر

تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطہ بہت ہی

ہاتے سامانِ سفر کس قدر کم ہے۔ سفر کتنے۔

دور کا ہے۔ راستہ کتنا دشمناک ہے۔

یہ ہے اُس طرزِ عمل کا صحیح نقشہ جو ایک مسلمان اس

عارضی زندگی کے بارے میں اختیار کر کے پیش کرتا ہے

آج جبکہ مغربی استیلا نے ہمارے فکر و نظر کے زاویوں کو

یکسر بدل دیا ہے اور ہم دنیاوی فوائد و لذائذ کے حصول کے

لیے مجنونانہ جدوجہد کو عین ترقی سمجھ بیٹھے ہیں، حیات

انسانی کی یہ تصویر بلاشبہ ہمیں کچھ عجیب و غریب ہی معلوم

ہوتی ہے۔ اور ہم بدقسمتی سے اپنے آپ کو اس سے اتنا

ہی دور پاتے ہیں جتنا کہ کوئی دنیا پرست۔ لیکن سچی بات

یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جانشینوں

نے اسی قسم کے اندازِ زیست کو پس فرمایا اور اسے ہی امت

مسلمہ کے افراد کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔ سرورِ دو عالم

نے فردِ مال کے فتنے کی تباہ کاریوں کو جس انداز میں بیان

کیا ہے وہ چونکا دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ فرمایا:

اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں

تکلفی الی بعدی کھلمنی فرماؤ کہ تمہاری تو جسم
اور الی علی ملکہ امری کرنے والوں سے زیادہ
ان لم یکن بل علی غضب جسم کرنے والا ہے۔
فلا بالی غیر ان عافیتک در ماندہ عاجزوں کا مالک
ہی اوسع لی۔ (عوض خیر) تو ہی ہے اور میرا مالک بھی
و جہک الذی اشرقت لہ تو ہی ہے مجھے کس کے
الطعام صلح علیہ امر الہیہ سپرد کیا جاتا ہے کیا
والاخرۃ من ان یحل بی بیگانہ ترش رو کے یا اس
غضبتک او یزل علی عینک دشمن کے جو کام پر تباہ رکھتا
لک العتبی حتی ترضی لا ہے اگر مجھ پر تیرا غضب
قوة ولا حول ولا قوة الا بک نہیں تو مجھے اس کی پروا
نہیں لیکن تیری عافیت

میرے لیے زیادہ وسیع ہے میں تیری ذات
کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب
تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا اور
دین کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ کہ
تیرا غضب مجھے پرترے یا تیری ناراضی مجھ
پر وارد ہو مجھے تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی
دیکھ کر ہے۔ اور نیکی کرتے یا بدی سے بچنے
کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے

پھر انہیں جذبات کا اظہار دوسرے مقام پر اس طرح
کیا گیا ہے۔
اللہم انک تسبح کلامی ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر
دوری مکانی و تعلم سری کو جانتا ہے تجھ سے میری کوئی
و عذابتی لا یخفی علیک بات چھپی نہیں ہو سکتی میں نصیبت
شئی من امری دانا یا اس زود ہوں، محتاج ہوں فریادی
الفقیر المستغیث المستجیر ہوں۔ پناہ جو ہوں۔ پریشان ہوں،

الوجل المشفق القم المعتبر ہر اسماں ہوں۔ اپنے گناہوں
بذنبہ۔ اسانک مسئلۃ المسکین کا اقرار کرنے والا ہوں تیرے
و ابتلال الیک ابتہال الذنب الذلیل اگے سوال کرتا ہوں جسے مسکین
و احو عوٹ دعا و الخائف العزیز سوال کرتے ہیں۔ تیرے اگے گڑبگڑا
دعا من خصعت لک ہوں جیسے گنہگار عاجز کر گڑبگڑا
رقتہ فاضت لک عبرتہ و ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہے۔
خل لک جسمہ و رغم لک جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس
انفہ۔ اللہم لا تجعلی بدعا کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو۔
لک شقیادکن بی رؤف و رحیم اور اس کے انسویہ رکھوں
یا خیر المسکین و یا خیر اور تین بدن سے وہ تیرے آگے
المعطین۔ فردنی کیے ہوئے ہواور اپنی ناک

تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے
سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق
میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا۔
اے سب مانگنے جانے والوں سے بہتر اے
سب دینے والوں سے اچھے!

ایک دوسری جگہ اس احساس نے مندرجہ ذیل الفاظ کی
شکل اختیار کی ہے۔

اللہم انی عبدک و اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا
ابن عبدک و ابن امتک اور بیٹا ہوں تیرے قبضہ میں
ناصیتی بیدک ما من فی ہوں۔ نافر ہے میرے بارے
حکمک عدل فی قضاء میں تیرا حکم اور عین عدل ہے
ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ۔

ان واردات قلبی پر بار بار غور کریں اور دیکھیں کہ یہ
کس بزرگ و برتر ذات کی دلی کیفیات کی ترجمانی ہے۔
وہ ذات تو سوائے خدا کے دنیا کی ہر شے سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

وہ اپنے مولا کے حضور میں کس طریق سے سر نیاز خم کرتی ہے۔ وہ مالک ملک کے حضور میں کس انداز سے اپنی بیچارگی اور بے بسی کا اعتراف کرتی ہے۔ کیا وہ دل جو اس قسم کے جذبات کا مبداء ہو۔ اس میں کبھی بھی غرور تکبر و اہ پاسکتے ہیں۔ یہ انہیں احساسات کا قیہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کا راضخلاق و فضائل کے لوج کمال تک پہنچنے کے باوجود ہمیشہ اپنے آپ کو کمزور اور ناتوان سمجھتے رہے۔ تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جن سے ان پاکباز اور مقدس انوفی کی تواضع اور انکساری کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ انہوں نے وقت کے سایہ میں ایک چڑیا کو اچھتے اور بھدکتے دیکھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے فرمایا: اسے چڑیا تو کس قدر خوش نصیب ہے، درختوں کے پھل کھاتی ہے۔ اور ٹھنڈی چھاؤں میں خوش رہتی ہے۔ پھر موت کے بعد تو وہاں جاسیگی۔ جہاں کچھ سے باز پرس نہ ہوگی۔ اسے کاش! ابو بکر بھی اس قدر خوش نصیب ہوتا۔ آپ کبھی یہ سسر ملتے۔ اسے کاش! میں درخت ہوتا۔ کھایا جاتا۔ یا کاٹ دیا جاتا۔ کبھی کہتے: اسے کاش! میں سب سے ہوتا۔ اور چار پائے مجھے چریتے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ کسی صحابی نے آپ کے سامنے ان اعمال حسنہ کا ذکر کر دیا۔ جو آپ نے رسول اللہ کے ساتھ مل کر انجام دیے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اور ارشاد فرمایا: اے کاش! اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں تو اس کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ کہ اگر جو نہ دیتے۔ تو غذا ہی سے بچ جاتوں۔

ایک دفعہ دست پرے گزر رہے تھے۔ کہ کچھ خیال آیا۔ وہیل پت زمین کی طرف جھکے۔ اور ایک تڑکا اٹھا لیا۔ پھر ارشاد فرمایا: اے کاش! میں اس تنکے کی طرح خض و خاشاک ہوتا۔ اسے کاش! میں پیدا ہی نہ کیا جاتا اسے کاش! میری مال مجھے نہ جلتی۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا: اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے تمام لوگ بخش

دیئے گئے ہیں۔ تب بھی میرا خوف زائل نہ ہوگا۔ میں کھونگا۔ شاید وہ ایک بد قسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک دفعہ مہر پر چڑھ کر فرمایا کہ ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چسرایا کرتا تھا۔ اور وہ اس کے عوض میں معی بھر بھروسے دیا کرتی تھیں۔ آج یہ زمانہ ہے۔ کہ میں امیر المومنین ہوں۔ یہ کبھی مہر سے اتر آئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا: یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی۔ بولے تنہا میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو، تم سے افضل کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اپنی حقیقت بیان کر دوں۔

ایک مرتبہ مدتہ کے اونٹوں کے سخت گرمی میں تار کو لٹکا دیتے۔ کسی شخص نے کہا: کسی سلام سے فرمایا ہوتا۔ فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون سلام ہوگا۔

حیات انسانی کے متعلق ان تصورات و افکار اور احساسات و جذبات سے سیرت و کردار کا جو خیر اٹھایا جاتا ہے۔ وہ ایک طرف تو نسلی اور نسبی تفوق کی ہر الائنش سے پاک ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں انسانی سمجہ رومی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ جو فرد بھی اس خمیر سے اپنے احسناق کو غذا بنیہم پہنچاتا ہے۔ اس کے دل کے تمام ان لوں کے دکھ درد کے پئے کرزتے ہیں۔ اور ان لوں کی معمولی مصیبت کو دیکھ کر ان میں اگرتاش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ان لوں کے دیوڑ میں فرق البشر نہیں سمجھتا۔ بلکہ انہیں کی طرح ایک معمولی انسان خیال کرتا ہے اسے کبھی اس بات کا اندیشہ محسوس نہیں ہوتا۔ کہ اس کا دامن تقدس عوام کے ساتھ ملنے ملنے اور ان کے مشاغل میں شرکت کرنے سے آلودہ ہو جائے گا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس آرزو میں ہمت آزمادہ رہتا ہے۔ کہ وہ عزیز عوام کے ساتھ مل کر ان کی ذہنی اخلاقی اور دینی سطح بلند کرے۔ وہ نہیں کچھ خوش کو بچا کر لے جانے کی فکر نہیں کرتا۔ دوسرے ڈبوں کو نکلنے کے لیے بھی ٹوٹنر تدابیر اختیار کرتا ہے۔

پھر اس کے اندر ایک ایسا جوہر نمایاں کرتا ہے جسے لوگ انسانیت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو انسانوں میں منتخب بنا کر انہیں رکھتا، بلکہ ان میں بھائیوں کے رکھنے کی حیثیت سے رہتا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کی غلطیوں اور قصوروں کو نیامنی کے ساتھ جانتا ہے۔ اور ایک اہل دل انسان کی طرح ان کی وجہ اور علت معلوم کرنے کی سعی کرتا ہے، اسے چور کو پکڑنے اور سزا دینے سے زیادہ اس بات کی فکر و تسکیر دیتی ہے، کہ وہ ان اسباب کا کھوج لگائے۔ جنہوں نے اس شخص کو سیدھے راستے سے ہٹا کر اس غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ وہ جب اپنے سامنے ایک بد بخت مجرم کو دیکھتا ہے، تو اس میں سخت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت بھی اسے یہ خیال گذرتا ہے، کہ اگر توفیق اپنی شامل نہ ہوتی، تو کیا عجب کہ آج وہ بھی اسی حالت میں ہوتا۔ اس لیے اس کے دل میں مجرم کی نفرت کے جذبہات پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ سبزدی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنی اس نیک اور پاکیزہ زندگی پر اترتا نہیں۔ بلکہ اس قادر مطلق کا شکر بجالاتا ہے، جس کی رحمت سے وہ عراطہ مستقیم پر گامزن ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے، کہ اس قسم کے سیرت و کردار رکھنے والا شخص اعتدالی عیوب اور برائیتوں کے ساتھ کھوتہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، نہیں ایسا نہیں۔ اس کی صراحت فطرت کی جرم اور گناہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتی۔ البتہ وہ جو کچھ کرتا ہے، وہ صرف یہ کہ جرم اور جرم میں گناہ اور گناہ کرنے والے میں ایک خط امتیاز کھینچ لیتا ہے، ایک بااخلاق آدمی ہونے کی حیثیت سے وہ جرم کے تدارک کی فکر کرتا ہے، اور اگر ضرورت محسوس ہو، تو اس مقصد کے لیے بڑی سے بڑی سختی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ لیکن بحیثیت ایک انسان کے اسے مجرموں کے ساتھ ایک فطری سبزدی ہوتی ہے۔ انتہائی مرحوم نے اپنے ایک خط میں اس حقیقت کو بڑی عمدگی سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”شاید نصیر نام ایک شخص تھا حضور علیہ السلام و اسلام کو سخت ایذا دیتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور شہر میں داخل ہوئے۔ تو ایک نجس عام میں آپ نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا، کہ اس کی گردن اڑا دو۔ ذوالفقار حیدری نے ایک آن میں اس کی بکھت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی لاش خاک خون میں تڑپ رہی تھی۔ لیکن وہ مہتی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی۔ جس کا قلب تاثرات لطیفہ کا سرچشمہ تھا۔ اس درد انگیز منظر سے مطلق متاثر نہ ہوئی نصیر کی بیٹی نے باپ کے قتل کی خبر سنی۔ تو فوراً فریاد کرتی اور باپ کی حسدائی میں درد انگیز اختصار پڑھتی ہوئی دوبارہ بوجی میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر! اشتادہ سنے تو حضور اس قدر متاثر ہوئے، کہ اس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے، یہاں تک کہ جوش سبزدی نے اس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے پیٹے ٹیک آہ سرد نکلوا کر چھوڑی۔ پھر نصیر کی تڑپتی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کہ یہ نعل محمد رسول اللہ کا ہے۔ اور اپنی روتی ہوئی آنکھ پر انگلی رکھ کر کہا، یہ فعل محمد بن عبد اللہ کا ہے۔ پھر حکم دیا، کہ نصیر کے بعد کوئی شخص مکہ میں قتل نہ کیا جائے“

غرض اس طرح سہم حلیف قہر و محبت کے متعادل دم جذبات کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے

مولانا احتشام الحسن

اسلامی زندگی

”مسلمانوں کی زندگی گزارنے کا مختصر دستور العمل“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی
عبدہ ورسولہ وحبیہ سید الانبیاء والمرسلین
امام الاولیاء والملتقین محمد وآلہ واصحابہ واتباعہم
اجمعین برحمتک یا الرحمان الرحیم

انسان مشرف المخلوقات ہے۔ دنیا کی ہر شے پر اس کو
فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ اپنے عزم اور ارادہ میں آئاد اور
خود مختار ہے۔ اس کو دنیا کی کسی قوت کے سامنے مجبور اور لاجائز نہیں
بنایا گیا۔ اس کو سر بلند بنایا گیا سرنگوں نہیں کیا گیا۔ اور دنیا کی ہر قوت
کو اس کے سامنے پائمال کیا گیا تاکہ ہر بندہ سے آزاد ہو کر ہر قوت کو ٹھکرا کر
جہنم نیار رب العالمین کے سامنے جھکائے۔ اور صرف اپنے مالک
خالق مولیٰ کی غلامی اور بندگی کا طوق گردن میں ڈالے۔ اور کوئی شے
اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مانع نہ ہو۔

صرف یہی ایک مقصد ہے جس کے لئے انسان کو وجود بخشا
گیا۔ اور گونا گوں نعمتوں سے نوازا گیا۔ وما خلقت الجن والانس
الا ليعبدون۔ (ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا
ہے تاکہ تماری بندگی کریں)

مالک حقیقی کی بندگی کیونکر ہو، اس کی غلامی کے کیا اظہار
ہیں؟ اس کو بتانے کے لئے رسول اور نبی بھیجے گئے جنہوں نے ہر زمانہ
میں ہر قوم میں آکر مخلوق کو خالق کی بندگی سے روشناس کرایا۔ جب

مخلوق اپنے فرض منصبی سے واقف ہو گئی۔ تو غلامی کے پورے
اظہار اور بندگی کا مکمل دستور العمل اس عالی ذات کے ذریعہ دنیا
میں بھیجا۔ جو خود کمال بندگی کا مکمل ترین نمونہ تھا۔ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
انسان کا جو ہر لافانی اور کمال انسانیت پرست ہے کہ اپنے اصل
منصب پر استوار اور مضبوط رہے۔ اور زندگی کو بندگی کے اس
دستور العمل کے موافق گزرائے جس کا عملی نمونہ نبی آخر زمان سر دار
دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی شان ہے۔ یہی زندگی کا
مقصد اصلی ہے۔ یہی دایرہ کی نعمتوں کا نمونہ ہے۔ یہی وہ طریقہ
ہے جس سے انسان حقیقی کمال حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی طریقہ کی
پیروی پر کرنے والی زندگی کی چین و راحت موقوف ہے۔ اسی کو
”شرعیّت“ کہتے ہیں۔

جن نفوس قدسیہ نے اپنی زندگی کو شریعت محمدیہ کے
سانچے میں ڈھالا اور مولیٰ حقیقی کی بندگی اور غلامی کو اپنا مقصد
حیات قرار دیا۔ وہ صرف ادرام اور اولیاء عظام ہیں جن کی زندگی
اور عظمت شان کے آثار آج تک نمایاں نظر آتے ہیں۔ خداوند کریم
ان پر رحمت و رضوان نازل فرمائے۔ کہ انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی
کو کمال بندگی سے آراستہ کیا بلکہ مخلوق کو وہ طریقہ سکھایا جس
سے شریعت محمدیہ کا اتباع آسان ہو جائے۔ اور انسان بطیب
خاطر زندگی اور غلامی کا خوگر بن جائے۔ اسی کو ”شرعیّت“ کہتے ہیں۔

شرعیّت اور طریقت
شرعیّت اور طریقت کا مقصد دونوں ہی مقصد یہ ہے

جس قدر بھی مصائب اور تکالیف پیش آتی ہیں سب سہل ہو جاتی ہیں۔ اور انسان ہر قسم کی مشقت بخوشی برداشت کر کے ہر ممکن طریقے سے اس شے کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب تک یہ شے حاصل نہ ہو برابر طلب اور جستجو میں لگا رہتا ہے۔ اور یہ شے جب حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے منافع اور فوائد اور زیادہ ظاہر ہوتے ہیں جس سے طلب اور جستجو اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور روز بروز یہ جذبہ ترقی کرتا جاتا ہے انسان تھک کر عاجز ہو جاتا ہے مگر اس کا شوق ہمیشہ اس کو اگے بڑھاتا رہتا ہے جب عقل کسی شے کے فوائد اور منافع کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ تو رفتہ رفتہ یہ آشفستگی انسان کے تمام اعضاء اور قویٰ میں سرایت کر جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا اپنا عزم اور ارادہ بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ خود مستقل کچھ نہیں رہتا۔ اور اس کی ہر خواہش اپنے محبوب میں گم ہو جاتی ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے وہی یہ کرتا ہے۔ جو کچھ وہ سنا تا ہے وہی یہ سنتا ہے جس چیز میں اس کی رضا ہوتی ہے وہی اس کی آرزو ہوتی ہے یہی حقیقی عشق ہے۔ جس کی کیفیت شاہ عرنے اس طرح بیان کی۔

عاشقی حیت بگد بندہ جانان بودن
دل بدست دگرے دادن و چراں بودن
حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کتاب صراطِ مستقیم
میں تحریر فرماتے ہیں :-

"شریعت و طریقت کا ثمرہ اور حقیقت و معرفت
کی بنیاد حق تعالیٰ کی محبت ہے۔ چنانچہ من کان
اللہ و رسولہ احب الیہ مہاسواہما
میں اس کی تفسیر ہے۔ اور وَالَّذِينَ آمَنُوا
أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔
اس سلسلہ پر اگرچہ تمام صوفیہ کرام بلکہ تمام
مخلوق کا اتفاق ہے مگر اس میں ایک لطیف نکتہ

کہ بندہ میں اپنے مولیٰ کی عظمت و محبت اس حد تک پیدا ہو جائے
کہ مولیٰ کے سوا کوئی شے قابل محبت اور لائق عظمت و بڑائی شمار نہ
ہو۔ صرف اسی کی عظمت اور محبت دل میں راسخ ہو اور اسی کے
حکم کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے اس کے خلاف ہر حکم ناقابل
الاعتناء اور مردود ہو، دل میں رگ دریشہ میں دُبی ہو اس
کے علاوہ ہر چیز پر بیچ و بیچ ہو۔ مگر چونکہ دنیا کی تمام چیزیں اسی
مالک کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اس لئے اس کریم کی عطا کی ہوئی نعمتوں
سے اس کے حکم کے موافق منتفع ہو کہ منعم حقیقی کے لئے ہوئے
تحفوں کے ساتھ ناقدری اور بے زاری کا برتاؤ کفرانِ نعمت ہے
شکر اور قدر دانی سے انعامات میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور ناقدری
اور کفرانِ نعمت سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ ارشادِ باری۔

لَا تَشْكُرُوا ۖ لَّيْزِينَ نَجْمُكَ ۚ وَلَا تَنْكُرُوا ۖ إِنَّ عَذَابِي
لَشَدِيدٌ ۚ (اگر تم شکر کرو گے اور دُور کا تم کو اور اگر ناشکری
کرو گے تو میری مار سخت ہے)

محبت دو قسم کی ہوتی ہے ایک نفسانی۔ دوسرے عقلی۔
"محبت نفسانی" یہ ہے کہ انسان کسی شے کی ظاہری خوبی
کو دیکھ کر اس پر فریفتہ اور وارفتہ ہو جائے۔ اسی کو عشق کہتے ہیں۔
عشق کا مقصود مطلوب کا حصول اور مجرب کا دھال ہوتا ہے۔
لیکن جب مطلوب حاصل نہیں ہوتا تو انجام کار بے چینی اور اضطراب و
سوزش لاحق ہو جاتی ہے۔ اور یہ محبت کی سلگی ہوئی آگ انسان
کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ اور اگر مطلوب حاصل ہو جائے تو پھر یہ
سوزش کم ہو جاتی ہے۔ اور محبت کی آگ ماند پڑ جاتی ہے۔ اور عشق
کی یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔

"محبت عقلی" یہ ہے کہ کسی شے کے فوائد اور منافع انسان پر
ظاہر ہوں اور اس شے کی حاجت اور ضرورت واضح ہو جائے تو دل
میں اس شے کے حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو انسان کو اس
شے کے حصول کے لئے بے چینی کرتا ہے۔ پھر اس شے کے حصول میں

ہے جس سے اہل زمانہ غافل ہیں۔ اودھ نکتہ محبت
نفاسی (جس کو عشق کہتے ہیں) اور محبت ایمانی
(محبت عقلی کے ساتھ مشہور ہے) میں فرق کرنا ہے
اس لئے کہ محبت نفاسی سلوک کے ابتدائی حالات
سے ہے اور محبت ایمانی انبیاء و کرام کے کمالات اور
اولیاء و عظام کے مقامات سے ہے۔

تمام انبیاء و کرام نے مخلوق کو عقلی محبت کی طرف بلایا اور وہ
شواہد اور براہین مخلوق کے سامنے پیش کئے جس سے خالق کے ساتھ
عقلی محبت پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ عقلی محبت سہولت کے ساتھ
پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر کبھی زائل نہیں ہوتی بلکہ رفتہ رفتہ ترقی
کرتی رہتی ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ عقلی محبت کا قائم ہونا ہی اسلام
اور ایمان کا متعین ہے۔ اور یہی وہ اصل شے ہے جس کے ساتھ
اسلام اور ایمان کی بقا وابستہ ہے۔ اس لئے اس محبت کو "محبت
ایمانی" کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں اور جس طریق سے یہ محبت حاصل کی
جائے اس کو طریق نبوت کہہ سکتے ہیں۔

محبت ایمانی کی ترویج۔ چند امور ان کی فطرت میں
داخل ہیں۔ ان امور کو اچھا سمجھنا

اور ان کے خلاف کو برا سمجھنا ایک فطری اور طبعی شے ہے۔ جس سے
کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ ان امور میں اصل شے اپنے مومن اور
مستہم کی محبت اور تعظیم ہے۔ اسے اس کے مساوی ترجیح دینا اور اس
کی نعمتوں اور احسانات کا شکریہ گزارنا اس کی رضا جوئی میں اپنی
مارفقات اور مرغوبات کو ترک کرنا اور شقوق کا برداشت کرنا۔
خود کو اس کے ادنیٰ غلاموں سے شمار کرنا۔ اس کے مقابلہ میں اپنے
نفس کو کچھ نہ سمجھنا۔ زبان کو اس کی مدح اور جوارح کو اس کی خدمات
میں مشغول رکھنا۔ اپنی گردن اس کے احسانات کے بوجھ سے جھکا
رکھنا۔ اس کے احسانات کو زبان اور عمل سے ظاہر کرتے رہنا۔ اس

کی اطاعت میں اپنے محبوبات کو مجھلا دینا اور اپنے دل کو اس کی
رضا جوئی کے لئے آمادہ رکھنا اور اس کے احکام کی بجا آمدی کے
لئے مستعد رہنا اگرچہ سخت دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑے
اور ان تمام امور پر استقامت اور مداومت کرنا کہ یہی منعم
کی نعمتوں کی حق شناسی ہے پھر جواد اور کریم کی محبت، جواد
اور کریم سے وہ ہستی مراد ہے جو بلا اپنی کسی ذاتی غرض کے کسی پر
احسان کرے۔ جو بھی بے غرض کسی پر احسان کرے گا سرسليم الطبع
انسان کی طبیعت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ محبت اور
عظمت کا برتاؤ کرے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ وہ احسان کرنے
والا خود غنی اور بے نیاز ہو کسی کا ذرہ برابر محتاج نہ ہو اور دوسرے
ہر حال میں اس سے وابستہ اور اس کے محتاج ہوں تو یہ جذبہ محبت
اور عظمت اور زیادہ بڑھ جائے گا۔

اب اگر انسان غور کرے تو سب سے بڑا عمن اور منم حقیقی
جواد و کریم حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہے جس نے انسان کو وجود
بخشا۔ جس نعمت اور حسن سیرت عطا فرمائی۔ عقل و شعور کی دولت
سے سرفراز کیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ
(بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں) پھر ہر
وقت ہر آن اس کے بے شمار احسانات ہلکے کسی غرض اور منت
کے اس پر نازل ہوتے ہیں۔ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا
تَحْصُوهَا (اور اگر اٹھ کی نعمتوں کا شمار کر دو گے تو ان کا احاطہ
نہ کر سکو گے) وہ مالک الملک غنی ہے بے پردا ہے بے نیاز ہے
ہر شے اس کی ملک اور اس کی محتاج ہے۔ پھر ملوک محتاج و فقیر
بے نیاز اس قدر لطف و انعامات کی بارش کہ انسان کا رُمان
رُمان اس کی شکریہ گزاری سے عاجز ہے۔ جس قدر انسان ان
باقول پر غور کرے گا اسی قدر حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت عقل
اور دل و دماغ پر مسلط ہوگی۔ اور اس کو مطیع و فرمانبردار بندہ
بنائے گی اور درجہ کمال کو پہنچائے گی۔

چونکہ مطلوب حقیقی کا بغیر اس واسطے کے حاصل ہونا ناممکن اور محال ہے اس لئے ان واسطوں کا اختیار کرنا لامبدي اور ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلے اور سب سے اہم یہ ہے کہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی عظمت اور محبت کو دل نشین کرنا اور اس کے معنی اور مفہوم کو اس حد تک ذہن نشین کرنا کہ عقل اور دل و دماغ میں یہ مفہوم اچھی طرح سما جائے۔ جس قدر عقل اس کلمہ کی گہرائیوں میں جلتے گی اسی قدر جذبہ محبت سے سشار ہوگی اس کلمہ کی کثرت ایمان کی تازگی اور نکھار کا باعث ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا ”تم اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو“ صحابہ نے عرض کیا کس طرح؟ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو“ یہی وجہ ہے کہ شارح طریقت ہر شخص کو سب سے پہلے اس کلمہ کی تلقین فرماتے ہیں۔ اور اس حد تک اس کا درد کرتے ہیں کہ دل و دماغ اور رنگ و ریشہ میں اس کی عظمت و محبت سرایت کر جائے۔ جب انسان پر اس کلمہ کا مفہوم حاوی ہو جاتا ہے تو کمالات اور ترقیات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

کلمہ کا مفہوم: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی ہستی قابل عبادت لائق اطاعت و فرمانبرداری نہیں۔ وہی مہبود ہے اسی کی بندگی کی جلتے۔ وہی مالک الملک ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جلتے۔ وہی احکم الحاکمین ہے اسی کے حکم پر جان نثار کی جلتے۔ وہی سرچشمہ عظمت و محبت ہے اسی کے ساتھ تعلق خاطر پیدا کیا جائے۔ اور اس بندگی اور فرمانبرداری اور جان نثاری اور دل بستگی کا طریقہ تہذیب المرسلین حبیب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے معلوم کیا جائے۔ اس لئے کہ آپ مخلوق کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔

”حُبِّ ایمانی کے حصول کا طریقہ“ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مقصود زندگی مولے کی بندگی ہے اور بندگی کی ادائیگی محبت اور عظمت پر موقوف ہے۔ تو اصل شے جس پر انسان کی روحانی زندگی کا مدار ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ عظمت و محبت کا پیدا کرنا ہے کہ بغیر اس کے زندگی اتنی ہی زندگی نہیں۔ بلکہ چوپاؤں کی زندگی ہے۔ اسی لئے شریعت محمدیہ میں ان اعمال کو جن سے عظمت و محبت نشوونما پائے مسلمان کے لئے ضروری اور لازمی قرار دیا۔ اپنی کوارکان اسلام کہتے ہیں۔ جو پانچ ہیں۔

توحید و رسالت کا اقرار۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ان میں سے حج و زکوٰۃ صرف مال داروں اور ذی ثروت لوگوں کے لئے ہے۔ اور روزہ اگرچہ ہر مسلمان امیر و غریب کے لئے ہے مگر سال بھر میں صرف ایک ماہ کے روزے ہیں۔

باقی دو یعنی توحید و رسالت کا اقرار اور نمازیہ دونوں جذبہ عظمت و محبت کی ترقی اور حیات روحانی کی بقا کے لئے ایسا ہی ضروری ہیں جیسے حیات جسمانی کے لئے آب و ہوا اور غذا۔ اس لئے ان دونوں کو ہر مسلمان کے لئے لازم قرار دیا گیا۔ ان کے علاوہ جن اعمال سے روحانی زندگی میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور اس جذبہ عظمت و محبت کے پیدا کرنے اور نشوونما میں معین و مددگار کا درجہ رکھتے ہیں ان کی فضیلت اور بزرگی اس حد تک بیان کی گئی کہ انسان از خود ان کی طرف راغب ہو۔ ان میں سے اعلیٰ اور اہم چند امور ہیں۔ ذکر اللہ کی کثرت۔ اور قرآن پاک کی تلاوت۔ علم دین حاصل کرنے کی اہمیت۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کی فوجیت۔ ان اعمال کے فضائل اور برکات اور اجر و ثواب کلام ربانی اور ارشاد نبوی میں بکثرت موجود ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حُبِّ ایمانی کے حصول کا طریقہ اور جذبہ عظمت و محبت کے بقا کا ذریعہ ان اعمال کے ساتھ دل بستگی اور دل بستگی ہے۔ اور یہ اعمال خود مطلوب اور مقصود نہیں بلکہ مطلوب حقیقی اور مقصود اصلی کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ مگر

آپ کو دنیا میں اسی لئے بھیجا ہے تاکہ مخلوق کو خالق کے ساتھ وابستہ کریں۔ ٹھیکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھلائیں۔ اور کامل بندگی کے اطوار سکھلائیں۔ آپ کا اتباع حقیقی بندگی اور حقیقی محبت کا واحد ذریعہ ہے جس کے بغیر رضائے خداوندی کا حاصل ہونا ناممکن اور محال ہے۔ حق تمہارے کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ط (اے محمد کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھے گا۔ اور تمہیں جسے تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (اے محمد) کہہ دو کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی پس اگر وہ اعراض کریں تو بے شک اللہ بھی پسند نہیں کرتا انکا رکنے والوں کو) وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دُنْيًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ط وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰمِسِيْنَ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین تلاش کرے گا اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خارہ پانے والوں میں سے ہوگا) مَا اَتَاكُمْ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ تمہیں رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے روک جاؤ)

(۲) نماز کی حقیقت کو سمجھنا اس کے ساتھ دل بستگی اور وابستگی پیدا کرنا کہ حقیقی راحت اور سکون اور طہارت قلب ناز میں میسر آنے لگے۔

”نماز کی حقیقت“۔ ہر بادشاہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے دہار عام کا ایک وقت مقرر کرتا ہے۔ تاکہ اس وقت اپنے خاص لطف و کرم سے رعایا کو نوازے، رعایا کو ہم کلامی کا شرف بخشے۔ ہر شخص باسانی اپنی معروضات بارگاہ شاہی میں پیش کر سکے۔ شہنشاہ عالم جل جلالہ نے بھی اپنی مخلوق اور

اپنی رعایا کو اس نعمت سے نوازا۔ اور اپنے لطف و کرم سے اس قدر نوازا کہ ہر شخص ہر وقت بارگاہ خداوندی میں رسانی پا سکتا ہے۔ ہم کلامی کا شرف حاصل کر سکتا ہے۔ اور اپنی معروضات کو پیش کر سکتا ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں کوئی حاجب و دربان نہیں۔ امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں کہ اس بارگاہ کے سب غلام ہیں اور غلاموں میں ممتاز وہ ہے جو سب سے زیادہ مطیع و فرمانبردار ہو۔ اسی پر بس نہیں۔ اس اذن عام پر کفایت نہیں کی گئی۔ بلکہ ہر فرد بشر ہر درجن ہر عاقل و بالغ پر پختہ بارگاہ خداوندی کی حاضری ضروری اور لازمی قرار دی گئی۔ تاکہ ہر شخص کا تعلق خالق کے ساتھ قائم و دائم رہے اور عبد کا مجہود کے ساتھ ارتباط مستحکم تر ہو جائے۔ اور دنیا کی مشاغل میں پھنس کر جو غفلت و سلیمان کے پردے، دلوں پر پڑتے ہیں وہ بار بار کی یاد دہانی سے پاش پاش ہوتے رہیں۔

معلوم ہوا کہ نماز حقیقت دربار رب العالمین کی حاضری اور بارگاہ خداوندی کی حضوری اور پروہ و کار عالم سے مناجات اور ہم کلامی کا وقت ہے۔ جس میں ایک مشت خاک ذرہ بے مقدار نجس و ناپاک انسان کو ملاء اعلیٰ کے ساتھ ایک خاص ربط و تعلق قائم ہوتا ہے۔ جو نماز اس نظریہ کے ماتحت ادا کی جائے گی اس کے شایان شان اس کا غیر مقدم کیا جائے گا۔ وہی حقیقی نماز ہے جو مومن کے لئے منہائے عمر مرجع ہے اور منزلہ معراج ہے۔

اصل شے حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ عظمت و محبت کا تعلق ہے۔ اور اس تعلق کا بقاء نماز کے ساتھ وابستہ ہے جیسے حیات انسانی بغیر غذا و درآب و ہوا کے باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح یہ تعلق بھی بغیر نماز کے ساتھ شدید دل بستگی اور وابستگی کے باقی نہیں رہ سکتا۔ جس قدر نماز کے تعلق میں اور لگاؤ ہوگا۔ اسی قدر اس تعلق میں روزانہ ترقی و ترقی نصیب ہوگی۔ بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح ادا کیا جائے۔ غفلت اور ہوشیاری سے اس کو خالص

نہ کیا جائے۔ دوسرے سراسر ہلاکت بربادی اور خسران ہے۔
 قَوْلُیْ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ
 (ہلاکت اور بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں
 غفلت برتتے ہیں) اس کے برعکس اگر نماز کو توجہ اور غور و فکر
 کے ساتھ ادا کرے گا تو یقیناً فلاح یاب اور نازک المرام ہوگا۔
 قَدْ اَقْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ
 وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعَصِّمُوْنَ (یقیناً فلاح یاب ہیں
 وہ مومن جو اپنی نماز میں اللہ کی طرف جھکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو
 لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں)

نماز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ لغویات سے محفوظ رکھتی ہے
 اور فحش گندی باتوں سے انسان کو باز رکھتی ہے۔ اِنَّ الصَّلَاةَ
 تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (بے شک نماز فحش اور
 بُری باتوں سے روکتی ہے)

نماز پڑھنے کا طریقہ۔ حقیقی نماز سے لذت آشنا ہونا
 کوئی آسان مرحلہ نہیں کہ سہولت کے ساتھ سراسر انجام ہو جائے بلکہ
 اس کے لئے بھی جدوجہد درکار ہے۔ جب ہم اس نعمتِ عظمیٰ کے
 حصول کے لئے کوشش کریں گے تو ضرور نصرتِ غیبی ہماری
 دستگیری فرمائے گی۔ اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فَاِنَّمَا لَنَهْدِیْهِمْ
 سُبُلَنَا۔

ناز پڑھنے میں تین باتوں کا لحاظ رکھا جائے۔

اول وضو کا اہتمام کرنا۔ وضو کی تمام شرائط ستن
 مستحبات اور آداب کا پورا کرنا اور ہر عضو کو دھوتے وقت
 حدیث میں آئی ہوئی دعا پڑھنا۔ اور یہ خیال کرنا کہ ظاہری
 نجاست کے ساتھ ساتھ میری باطنی نجاست بھی دُور ہو رہی ہے
 دوسرے نماز کے تمام امکان فراغِ واجبات اور
 ستن مستحبات اور آداب کو باقاعدگی اور ادب و احترام کے
 ساتھ ادا کرنا۔

تیسرے نماز کی رُوح کا خیال رکھنا۔ نماز کی رُوح
 اغلاص اور حضورِ قلب ہے۔ یعنی جو الفاظ تم زبان سے کہہ رہے
 ہو اور جو کام اعضاء سے انجام دے رہے ہو ان کے معنی کو سمجھ
 رہے ہو اور دل سے اس کا اعتراف اور اقرار ہو۔ مثلاً جب نماز
 شروع کرنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو دل بھی غیر اللہ کے
 تعلق سے کنارہ کش ہو۔ جب زبان سے اللہ اکبر (اللہ سب سے
 بڑا ہے) کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بے شک اللہ سے بڑی
 کوئی ہستی نہیں۔ جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (سب
 تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) کہے تو
 دل اللہ کی نعمتوں کے شکر یہ سے لبریز ہو اور اس کا یقین ہو
 کہ اللہ کے سوا کوئی شے لائق ستائش نہیں۔ جب اَیُّا لَہُ نَعْبُدُ
 وَاَیُّا لَہُ نَسْتَعِیْنُ (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے
 مدد طلب کرتے ہیں) کہے تو دل میں بھی اپنے ذلیل اور محتاج ہونے
 کا اقرار کرے!

جب بدن رکوع میں جھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ
 جھک جائے۔ جب سر زمین پر پڑا ہو تو دل بھی اسکی ہموانی کر رہا
 ہو۔ اگر سر اس کے سامنے پڑا ہے اور دل غیروں کے قدموں پر
 پڑا ہو، بدن یہاں جھک رہا ہے اور دل غیروں کے سامنے جھک
 رہا ہو زبان سے کچھ کہہ رہا ہے اور دل میں اس کے خلاف سمایا
 ہوا ہو تو یہ اقرار نہیں انکار ہے۔ عبادت نہیں استہزاء ہے
 نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ خِلَآئِکَ۔

اگر اسی طرح نماز ادا کی جائے اور اس طریق پر مداومت
 کی جائے تو حق تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ حقیقی نماز کی دولت
 سے سرفراز ہوگا۔ اگرچہ باطن کے اعتبار سے یہ نماز کا اعلیٰ درجہ
 ہے مگر ظاہر میں یہ نماز کا دوسرا درجہ ہے۔ پہلا درجہ جس کا
 انسان مکلف اور مأمور ہے یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق

اسلامی تعلیمیت

جناب زاید حسین مرحوم کا ایک مقالہ

جناب زاید حسین مرحوم ملک کے ایک ممتاز ماہر اقتصادیات تھے۔ تقسیم ملک سے قبل وہ نہایت اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ ریاست حیدرآباد کے وزیر مال، اور علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد دہلی میں پاکستان کے پہلے ہائی کمرشنر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں سیٹل بنک آف پاکستان کے گورنر اور ۱۹۵۳ء میں پلاننگ بورڈ کے صدر بنے۔ ان کا ایک ذہین اور ذکی، غلصہ اور انتھک کام کرنے والے اقتصادی ماہر تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں اسلامیت اور دین کے ساتھ تعلق بھی تھا۔ گزشتہ سال نومبر ۱۹۵۷ء میں ان کی وفات ہوئی جو ایک بہت بڑا قومی صدمہ تھا۔ پاکستان میں اسلامی تعلیم کے بارے میں ان کا یہ مقالہ مختصر ہونے کے باوجود نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس میں بعض بنیادی امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جو جدید شمس الاسلام کا تعلق ایک ایسے علمی ادارے کے ساتھ ہے جس کا اولین مقصد اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت ہے۔ اس نے مناسبہ معلوم ہوا کہ شمس الاسلام کے صفحات میں مزوری ایضات کے ساتھ اسے شائع کیا جائے

(مرتب)

یہ ظاہر ہے کہ افراد امت کے دلوں میں ان اقدار و مقاصد کو محفوظ رکھنے کا سب سے بڑا مؤثر اور حقیقی ذریعہ تعلیم ہوتا ہے۔ اسلامیات کے مفہوم کو اس طرح اور اس حد تک بیان کیا جائے تو غالباً اختلاف کا احتمال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن طریقہ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں تو شکوک و اختلاف کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ بنگال پر اٹھا رہویں اور باقی اقطار ہند پر انیسویں صدی میں انگریزی اقتدار مستحکم ہو گیا۔ اس اقتدار کی وجہ سے ہمیں ایسی قوم سے سابقہ پڑا۔ جس نے علمی ترقی و تحقیق کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر رکھ کے اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر لیا تھا۔ میدان علم و عمل میں یہ قوم نئی منزلیں سر کر رہی تھی۔ اس کی اقتصادی اور حربی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو رہا تھا۔ مسلمان انقلاب سے بالکل بے خبر اور بے بہرہ تھے۔ صدیوں سے ان کے دماغوں پر جمود کی حالت طاری

تعلیم کے سلسلہ میں اسلامیات کے مفہوم کو واضح کرنا ضروری ہے۔ مختصراً تعلیم کی غرض و غایت یہ ہے کہ کلچر کی حفاظت کی جائے اور اسے ترقی دی جائے۔ ہر سوسائٹی کا ایک خاص خراج، اس کے کچھ بنیادی اقدار اور اس کے کچھ مخصوص مقاصد ہوتے ہیں۔ اس کا کلچر اس کی معاشرتی، اخلاقی اور روحانی تہذیب کا حامل ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کچھ مخصوص قدیم اور اسلامی سوسائٹی کے کچھ خاص مقاصد ہیں۔ اسلامیات کا مفہوم میری رائے میں یہ ہے کہ ان مخصوص اسلامی قدروں کو دریافت کیا جائے۔ زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی روشنی میں ان کی حدود کا اور ان کی نوعیت کا تعین کیا جائے۔ ان کے تحفظ و ترقی کی راہ میں جو مشکلات اور خطرات پیدا ہیں ان سے بحری آگاہی حاصل کر کے انہیں دفع کرنے کے اسباب پیدائے جائیں۔ اور انہیں ترقی دینے کے وسائل تلاش کئے جائیں۔

چھوٹے چھوٹے بے شمار مرکز قائم ہو گئے۔ ان مرکزوں نے اہل تہائی آزماؤں و امتلاؤں کے زمانہ میں اسلامی علوم کو زندہ رکھا۔ اسلامی قدروں کی حفاظت کی اور بڑی حد تک دین کے علمی ڈھانچہ کو برقرار رکھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی ان مدارس کی خدمت کو فراموش نہیں کر سکتے۔ لیکن ان سے ایک بڑی غلطی کا ارتکاب ہوا۔ انہوں نے علم کے معنی و مفہوم کو محدود کر دیا۔ اور جو ترقی علم مغربی ممالک میں ہو رہی تھی اس سے یکسر بے اعتنائی برتی بلکہ دشمنی اختیار کی۔ انہوں نے علم دین کے علاوہ اسی علم کو علم قرار دیا جس کو انسان آج سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے حاصل کر چکا تھا۔ سو لہویں صدی سے مغرب میں جو علمی احیاء شروع ہوا تھا اس کو انہوں نے اپنے اور اپنی قوم کے لئے شجرِ ممنوعہ قرار دیا۔ ان مدارس کے تعلیم یافتہ آج سے تین چار سو برس پہلے کی سوسائٹی کے لئے ضرور موزوں تھے لیکن آجکل کی زندگی سے انہیں کوئی مناسبت نہیں تھی نہ اس کے وہ موزوں تھے نہ وہ اُسے سمجھنا چاہتے تھے۔

انگریزی تعلیم کے اثرات میں سوسائٹی کے اندر ایک نیا طبقہ تیار ہونا شروع ہوا۔ اس طبقہ کو اسلام اور مسلمانوں سے ایک قدرتی اور جذباتی تعلق ضرور تھا لیکن اسلامی اقدار سے وہ گہرا اور ایمانی تعلق نہیں رہا جو ہماری سوسائٹی کا نشانِ امتیاز ہونا چاہئے

۱۔ مرحوم مذہبی مفکرین کے ان اندیشوں اور خطرات کو بجا قرار دے رہے ہیں جنہوں نے اس وقت انگریزوں کے جاری کردہ نئے طریقہ تعلیم کو مذہبی اخلاق اور روحانیت کے لئے خطرناک سمجھا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ مسلمانوں کو متذبذب کر رہے تھے کہ اس تعلیم سے صرف جوانوں کو ترقی حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ اس کے ساتھ اتحاد بھی آئیگا۔ اور گھر میں صرف شیریں کی جلوہ نمائی نہ ہوگی۔ بلکہ اس کے ساتھ تیشہ فراہ بھی آکر رہے گا۔ اور پھر لب خدائے فریاد نکلیگی۔ مگر مرحوم کا خیال یہ ہے کہ اپنی بقا کی خاطر اور ملک میں اپنی حیثیت کو قائم کرنے کی غرض سے مسلمان مجبور تھے کہ باجدید تعلیم کو حاصل کریں۔ (مذتب) ۲۔ معلوم نہیں کہ انقلابی روح سے مرحوم کی مراد کیا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس علمی مرکز میں تو حضرت سید احمد شہید اور حضرت مولانا اسماعیل شہید کی وہ انقلابی روح ہر دور میں زندہ رکھی گئی ہے اور وہی روح اس علمی مرکز سے وابستہ تمام اداوں میں ہمیشہ اپنا کام کرتی رہی۔ احوال و ظروف کے مطابق کام کی شکلیں تو مختلف رہیں لیکن روح وہی جاری اور ساری تھی۔ ۳۔ مدارس عربیہ کی ان خدمات کا ایسے کھلے الفاظ میں اعتراف مرحوم کی دستِ قلب بلند نظری، اور اسلام دوستی کا ثبوت ہے اور مرحوم جیسے صاحبِ علم و فہم کی یہ رائے بڑی وقعت رکھتی ہے۔ اُمید ہے ایسے صاحبِ نظر ماہر کی اس شہادت کے بعد ہمارے مسلمان نوجوان مدارس عربیہ کے بلند مقام کو کچھ سمجھ لیں گے (مذتب) ۴۔ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

تھی مسلمانوں کا اس وقت کی سب سے تیز کام مغربی قوم کے ساتھ یہ سابقہ خفیف و ناقواں چوٹی کا ہاتھی کے سابقہ کی مانند تھا۔ ہماری مصاشی روحانی اور اخلاقی اقدار کے لئے ایک شدید آزمائش کا دور اس طرح شروع ہوا۔ انگریزی اقدار کے ساتھ انگریزی زبان و رویہ تعلیم قرار دی گئی۔ انگریزی مدارس کے نصاب کی بنیاد ترقی یافتہ علوم پر رکھی گئی۔ ہمارے مذہبی مفکرین کو بجا طور پر اس نئے طریقہ تعلیم میں اپنے مذہب، اخلاق اور روحانیت کے لئے خطرہ کی صورت نظر آئی لیکن قوم کے لئے اپنی بقا کی خاطر مجبوراً اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ جدید تعلیم سے مسلح ہو کر اپنے آپ کو تباہی سے بچائے۔ اور ملک کی زندگی میں اپنی حیثیت کو قائم کرنے کی کوشش کرے۔

۵۔ انیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ہندوستان کے بڑھتے ہوئے سیاسی اور دینی بحران کو روکنے کے لئے حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے احیاء اسلام کی تحریک شروع کی انگریزوں نے اس کو پوری طاقت سے کچلا۔ لیکن اسلام اس درجہ دلوں میں راسخ تھا کہ وہ اس کے محرمات کو ختم نہ کر سکے۔ اُس کے بقیائے صالحہ نے اسلامی روح کو زندہ رکھنے کے لئے دیوبند میں دینی علوم کا ایک بڑا مرکز قائم کیا۔ اس مرکز میں اسکی انقلابی روح دیر تک زندہ نہیں رہ سکی۔ لیکن اس کی پیروی میں اس طرح کے

اس طبقہ کے افراد رفتہ رفتہ سوسائٹی کی تمام معزز حیثیتوں پر فائز ہو گئے۔ حیاتِ بلی کی قیادت ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ سرکاری ٹھکے، اخبار و رسائل، مدارس، سیاسی جماعتیں، قانون سازی مجالس غرض سب قومی ادارے جو سوسائٹی کی اقدار کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ان کے قبضہ و اقتدار میں آ گئے۔

تعلیم کی اس دو عملی سے ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ کا تعلیم یافتہ طبقہ جو ملت کی فکری اور عملی زندگی کی قیادت کا دعویدار تھا ڈوگر دہوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک گروہ انگریزی مدارس سے فیضیاب اور دوسرا گروہ دینی مدارس کا تعلیم یافتہ۔ پہلا گروہ اسلامی زندگی اور اس کی اقدار سے امتداد زمانہ کے ساتھ بیگانگی کو ترقی دیتا رہا۔ اور دوسرا گروہ اسلام کا فحاشی لیکن زندگی کے حقائق سے بے اعتنائی کے نتیجہ میں دین کی حقیقت اور حقانیت سے دُور پڑ گیا۔ وہ جدید علوم سے بیگانہ بلکہ ان کا مخالف تھا۔

یہ صورت حال تھی جب ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ غیر منقسم ہند میں ان دونوں طریقہ کے تعلیم کا وقت اور ماحول کے اعتبار سے جاری رہنا ناگزیر تھا۔ لیکن اسلامی سلطنت میں

اس دو عملی کا قائم رہنا اسلامی اقدار کے تحفظ اور ترقی کے لئے ہرگز مناسب اور مؤثر نہ ہیں۔ اس دو عملی نے ہماری فکری اور عملی زندگی میں اختلاف اور انتشار کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اور ملت کو اپنی راہ کا تعین کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو جاری ہونے انہی برس کے قریب ہو چکے ہیں۔ اب ایسے گھرانے بہت سے ہیں جہاں انگریزی تعلیم تین بلکہ چار سکولوں سے جاری ہے۔ پہلی اور دوسری سکولوں کو گھروں کے اسلامی ماحول سے اپنی مخصوص قدروں کو اپنی زندگی کا جزو بنانے میں قرارداد قومی امداد ملتی تھی۔ وہاں اسلامی تعلیم اور اس کی روح موجود تھی۔ موجودہ نسل کے لئے افادہ کی یہ صورت کم مرقی جا رہی ہے۔ اسلامی روح اور اسلامی اقدار کے فقدان کا اثر گھروں کے اندر پہنچ گیا ہے۔ اور اس حد تک کہ اونچے اونچے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے بعض حصوں میں ان اقدار کی تربیت، ذہنی اور معاشرتی ترقی کا ثبوت دینے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔

حضرات! ہم اس وقت اپنی ملی زندگی کے ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں احساس ہونا چاہیے کہ ہماری معاشرتی اور روحانی زندگی کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ ہماری زندگی اپنی معاشرتی

(حاشیہ ص ۷۷) ان جہلوں سے شدید عارے عربی مدارس کے متعلق کچھ آرزوہ ہیں۔ لیکن ماننا چاہئے کہ حقیقت یہ ہے اگرچہ عربی مدارس کے معلمین و منتظمین اس بارے میں مندر تھے۔ حالات ہی کچھ ایسے پیش آ گئے تھے کہ اتنے وسائل و ذرائع نہیں تھے کہ مزید مفتیاد اور جدید علوم کو ان کے مضمر اثرات سے محفوظ رکھ کر پڑھا سکیں۔ اور ان علوم کی تعلیم و تدریس کے ساتھ جلازمی طور پر مغربی تمدن و تہذیب اور اتحاد آزادی آبروی ہے درحقیقت وہ شجر ممنوع تھی اور جب مسلمانوں کو ان حضرات نے ان مغربی اثرات سے بچانا چاہا اور روکنا چاہا تو جدید علوم کے لئے مستقل نظام نہ ہونے کے کی وجہ سے مجبوراً وہ ان جدید علوم سے بھی رہ جاتے تھے۔ مدارس عربیہ ان حالات میں صرف دین کے بقا و تحفظ کے لئے تھے۔ اور آٹھ سو برس پہلے کے علوم بھی اس لئے پڑھائے جاتے تھے کہ ہماری قدیم سارا علمی لٹریچر ان علوم سے متاثر تھا۔ اسلاف کی علمی کتابوں کا سمجھنا ہی ان علوم پر کانی حد تک موقوف تھا۔ اور ان اسلاف کے ان علمی ذخیروں کو یکدم چھوڑنا اور ان سے تعلقات توڑنا بھی مشکل تھا۔ ان فرضی علوم ان مدارس میں ہمیشہ محض آلہ کی حیثیت سے لئے ہیں۔ (مرتب)

سے ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور اس رائے کو درست سمجھتے ہیں۔ اس تفریق اور دوئی نے ہر شعبہ زندگی میں بڑی رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔ اسے یہ تجزیہ اور تبصرہ بالکل درست ہے اور اُنچے طبقہ کے خاندانوں کی حالت کا صحیح نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ (مرتب)

پرو انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اس طبقے کے افکار و خیالات اور اس کا طرز زندگی ضرورت کے ساتھ قومی زندگی کو متاثر کر رہا ہے۔

گو ناگوں مشکلات کے باوجود تعلیم پھیل رہی ہے اور جدید رنگ کے مدارس کا اثر ملت کے مختلف حلقوں میں نفوذ کر رہا ہے اس کی رفتار خود اپنی قوت سے روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور اس نتیجے میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی اقدار سے ہمارا بعد بھی بڑھتا جا رہا ہے اشتراکیت اپنے خفیہ اور پرتاثر طریقوں سے لاغذائی اور بے دینی پھیلانے اور ہماری نئی نسلوں کے دلوں میں اپنے ماضی سے نفرت اور حقارت کا بیج بونے میں مستعدی کے ساتھ مصروف ہے۔

جن اسلامی مدارس کی کوششوں سے اسلامی اقدار اس برصغیر میں ایک حد تک باقی ہیں۔ وہ زیادہ تر ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ اب یہ قرن تیس نہیں کہ اس رتبہ اور افادیت کے مدارس پاکستان میں قائم ہو سکیں۔ نہ یہ ہرگز مناسب ہے کہ علم انسانی کی دو ٹوکری میں قدرتی تقسیم کو برقرار اور تعلیم کی دو عملی کو جاری رکھا جائے بلکہ ضروریات پر نظر رکھنے والے صاحب نظر و بصیرت علماء اب جدید مدارس سے ہی نکلیں گے۔ اب پاکستان میں قدیم طرز کے مدارس سے ایسے صاحبانِ رشد و ہدایت کے پیدا ہونے کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔

اسلامی سوسائٹی کے تحفظ کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک

اور اسلامی اقدار سے خالی ہونا شروع ہو چکی ہے۔ اور ہمارے لئے یہ غیر ممکن ہے کہ ہم انگلستان یا کسی اور مغربی ملک کی تقلید اختیار کر کے اس کی اقدار سے اپنی زندگی کو آباد کر سکیں اور اپنی روحانی پیاس کو بجھا سکیں۔ ہماری زندگی کی بنیاد مغربی کلچر پر قائم نہیں ہو سکتی اسلام اور ماضی سے ٹوٹ کر ہماری حالت بھڑوں کے اس گھلے کی مانند ہو گئی جس کی کوئی منزل مقصود نہیں ہے اور جس طرف کوئی چاہے اُسے لے جاسکتا ہے۔

بے راہ روی اور دینی اور دماغی بے چارگی کی شہادت ہماری سیاسی اور معاشرتی زندگی میں موجود ہے۔ لاغذائی، اثراتِ مذہبی شائے بیکانگی، رقص و شراب نوشی کی معزز محفلیں، محبتِ رسولؐ کی طرف سے ایک گونہ بے پروائی، جادو، تسلیم و رضا سے بے تعلقی، امن و امان کی جگہ فساد و نزاع ایسے مظاہر ہیں کہ ان کی طرف سے دُشمن شخص آنکھیں بند کر سکتا ہے جس کا ایمانی تعلق اسلام سے کمزور ہو چکا ہو۔ اپنی ملی اور انفرادی زندگی کے اس ضروری اور بنیادی پہلو کی طرف توجہ کرنا پاکستان کی تعمیر کے لئے دن بدن پہلے سے زیادہ ضروری ہوتا جاتا ہے۔

تقسیمِ ملک سے قبل تعلیم یافتہ مسلمان معدودے چند جاہ و قوت کے مناع پر ممتا ز تھے۔ فکرو عمل کے تمام بلند مقامات غیر مسلموں کے قبضہٴ اقتدار میں تھے۔ پاکستان ایک آزاد اسلامی ریاست سے اور قدرتاں اب حکومت اور اقتدار کی باگ و دوڑ کا مل طور

لے جزاء اللہ تعالیٰ احسن الجزاء وغیرہ مغرب کی گورائے تقلید کی خوب تردید کی ہے۔ اور مغرب پسندوں کو خوب متنبہ فرمایا ہے۔ (مرتب)

۱۔ واضح ہے کہ یہ متفالا چند سال پہلے کا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اناس علیٰ دین ملو کم حکام کے رجحانات اور افکار و خیالات کا اثر لازماً قومی زندگی پر ہمیشہ پڑتا ہے۔ (مرتب) ۲۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جدید تعلیم پھیلتی جا رہی ہے۔ اور اس کے اثرات کا نفوذ بھی ہو رہا ہے۔ اور اسلامی اقدار سے بعد کا خطرہ بھی موجود ہے۔ ۳۔ بے دینی پھیلانے اور ماضی سے نفرت دلانے میں مستعدی کے ساتھ یہ مصروفیت اخبارات و رسائل کی شکل میں بھی ہے۔ اور ترقی یافتہ ادب اور افسانہ نگاری و ناول نویسی کی صورت میں بھی۔ امید ہے کہ ہماری نئی اصلاحی حکومت افسانہ نگار کا توجہ خاتمہ کرے گی۔ ۴۔ یہ تو درست ہے کہ حالات سازگار نہیں ہیں اور یہ سازگار ہی انگریزی دور میں بھی رہی لیکن جب اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت منظور فرمے تو ان قدیم طرز کے مدارس سے اصحابِ رشد و ہدایت پیدا ہوتے رہے اور انہوں نے اب تک دین کا چھینٹا بلند ہی (باقی اگلے صفحہ)

پاکستان پر عاید ہوتی ہے۔ بجز پاکستان تمام اسلامی ممالک قومیت کو اپنی زندگی کا سرچشمہ اور نصب العین خیال کرتے ہیں۔ کم سے کم ان کے تحفظ اور سالمیت کا انحصار پاکستان کی مانند اسلام کے تحفظ و بقا کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ پاکستان کا وجود تمام تر اسلام کی بنیادوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔ جو سیاسی تحریکات دنیا اور خاص طور پر مشرق میں رونما ہیں ان کی روشنی میں مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کی جائے تو ہم یقیناً اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلامی سوسائٹی کی حفاظت کے لئے پاکستان کو بہت بڑا فرض انجام دینا ہے ایشیا میں بعض عظیم الشان قومیں بیدار ہو کر سیاسی۔ اقتصادی اور حربی ترقی کے میدان میں آ رہی ہیں اور کچھ عرصہ میں ان کی طاقت اس درجہ پر پہنچ جائے گی کہ اسلامی ریاستوں کی بقا کے لئے توازن طاقت کی خاطر یہ ضروری ہوگا کہ پاکستان متحد اور طاقتور ہو، اگر خدا نخواستہ ایسا نہ ہو تو اسلامی سوسائٹی کو عظیم خطرہ لاحق ہوگا۔ پاکستان متحد اور طاقتور ہو کر اسلام کی پاسبانی کا مقدس فرض اسی صورت میں ادا کر سکتا ہے کہ خود اس کی زندگی میں اسلامی اقدار اس طور سے محفوظ اور راسخ ہو جائیں کہ ایک طرف ماضی کے ساتھ تسلی قائم رہے اور دوسری طرف حالی کے بنیادی تقاضے بخوبی پورے کئے جائیں۔ تاریخ نے جس امانت کا بار ہمارے ضعیف اور ناتواں کندھوں پر رکھا ہے اس کا میں احتیاط کے ساتھ جائزہ لینا چاہتے ہوں تاکہ اسے بخوبی ادا کرنے کی تیاری صحیح طریقہ سے کی جائے۔

قوم کا مطالبہ ہے کہ پاکستان میں ایک نیا نظام تعلیم جاری کرنا چاہئے۔ اس نظام تعلیم میں قوم کی عملی ضروریات کا خیال رکھنے کے علاوہ ضروری ہے کہ اسلامی اقدار کے تحفظ کا سامان زمانہ کے تقاضوں کی روشنی میں کیا جائے۔ ایک نئے نظام تعلیم کو مدد ملنا اور اسے رائج کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے فکر و عمل کی بہت سی وادیاں طے کرنی ہوں گی۔ اور کافی وقت درکار ہوگا۔ اس نظام کی تدوین کے لئے ضروری ہے کہ اُن قدروں اور اداوں کی وضاحت کی جائے۔ جو اسلامی تہذیب تمدن کی بنیاد ہیں۔ اور جن کو تعلیمی اور تربیتی نظام میں پیوست کرنا ضروری ہے۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ ان قدروں اور اداوں کا تعین کر دوں اس لئے اپنے مفہوم کی وضاحت کے لئے چند کلمات پر اکتفا کر دوں گا۔

(۱) اسلامی تہذیب و معاشرت کا اصل اصول اور اسلامی سوسائٹی میں اجتماعی اور انفرادی زندگی کی قدر اول ترجیح ہے۔ یہ عقیدہ زندگی میں جمہوریت اور مساوات کی بنیاد ہے۔ اور انفرادی زندگی میں پختہ اور مضبوط سیرت کی ضمانت ہے۔

(۲) دوسری اہم اور بنیادی قدر عقیدہ آخرت ہے۔ اعمالِ حسنہ کی انجام دہی اخلاقِ حسنہ کی تکمیل اور ایک بلند سیرت کی تشکیل کا دار و مدار اسی عقیدہ پر ہے۔ اس عقیدہ کی غیر موجودگی میں اعمالِ وقتی ضرورت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور نتائج بد کا از ریشہ نہ ہو تو اخلاقِ حسنہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

(۳) ایک بڑی عظیم قدر وہ گہری اور داہانہ محبت ہے جو

(بقیہ حاشیہ ص) جب تک جدید مدارس صحنۃ اللہ میں رنگے نہ جائیں اور وہاں سے صاحبِ نظر و بصیرت علماء نکلنے کی سبیل نہ بن سکے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود ان قدیم مدارس سے اللہ تعالیٰ یہ کام لیتا رہے گا۔ (مرتب)

لے پاکستان کے مخلص و ہمدرد ہمارے موجودہ صدر مملکت جناب جنرل محمد ایوب خان ایدہ اللہ ووفقہ لما یحب دیرضی نے بھی گذشتہ دنوں متعدد تقاریر اور بیانات میں بار بار ذکر فرمایا ہے کہ نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اور اس مملکت کے لئے نظام تعلیم ایسا ہونا چاہئے جس میں روحانی اقدار کے تحفظ و ترقی کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ (مرتب)

ہیں۔ ابتدائے تعلیم سے انتہاء تعلیم تک قرآن مجید اور سیرت النبی کے منتخب ابواب طلباء کے شعور اور استعداد کے مطابق نصاب میں شامل ہونے چاہیں۔ ایسی کتابوں کو تیار کرنا جو زمانہ کی ضروریات کو پورا کریں اور طلبہ کے بیدار شعور کو مطمئن کر کے متاثر کر سکیں۔ سہل کام نہیں۔ روایتی طرز کی کتابیں تیار کرنا بہت آسان ہے۔ اور ایسی کتابیں موجود ہیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن اب تنقید اور تبصرہ کے معیار کو زمانہ کی سطح پر لانا ہے۔

ہمیں ایک ایسی جماعت تیار کرنا ہے جو اسلامی سوسائٹی کی بنیادی قدروں پر تحقیق کا کام کرے۔ اڈل ان کی روایتی حیثیت کو صاف کرے اور ان کے مقاصد کو واضح کرے۔ ان مقاصد کو سامنے رکھ کے موجودہ علم انسانی اور زمانہ کے تقاضوں کی روشنی میں ان کی تحقیق کرے۔ اس طرح ہم اسلام کو آج کی دنیا میں اعلیٰ انسانی اقدار کا سرچشمہ بنا کر مضبوط کریں گے اور اس سے اپنے لئے قوت اور ترقی کا سامان مہیا کریں گے۔

ہم اپنی اور اپنی حکومت کی کوتاہیوں کی بے اوقات شکایت کرتے ہیں لیکن شاید اس حقیقت سے کمی کو انکار نہ ہوگا کہ ملک ناقصہ ترقی کر رہا ہے۔ اور سوسائٹی کا نقشہ بدلتا شروع ہو گیا ہے۔ ترقی کی رفتار آئندہ کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہوگی۔ اس طرح دس پندرہ برس میں جو تغیر و تبدل ہماری سوسائٹی، ہمارے افکار و خیالات، ہمارے طرز و پاکش اور ہمارے طریق زندگی اور ہمارے معاشرتی اقدار میں واقع ہوگا۔ اس کام آج پوری طرح اندازہ نہیں کر سکتے۔ آئندہ پندرہ برس برس پاکستان کی سوسائٹی کے لئے اپنے اندر ایک قوت فیصل کی اہمیت حاصل کریں گے۔

(ماخوذ از العلم کراچی)

ہر مسلمان کے سینہ میں جناب سرور کائنات رسول خدا کی ذات والا صفات کے لئے موجزن ہے۔ عشق رسول درحقیقت اسلامی سوسائٹی کی سب سے بڑی دولت ہے۔ رسول خدا کو قرآن میں اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ بتایا گیا ہے۔ عشق رسول اس کا طمان ہے کہ ہم اخلاق حسنہ کے اس سب سے بڑے نمونہ کو فراموش نہیں کریں گے۔ اور لغزشوں اور گمراہیوں میں بھی ہدایت کی روشنی کا یہ معیار ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو جائے گا۔

(۴) ایک اور بڑی اسلامی قدر اسلامی اخوت ہے۔ عالمگیر مذاہب اور بھی ہیں لیکن وہ اپنے پیروؤں میں اخوت کا وہ جذبہ پیدا نہیں کر سکتے جو رنگ، نسل اور قومیت سے بالاتر ہو۔ اس عالمگیر برادری کی وحدت میں بھی عشق رسول کا جذبہ بڑی حد تک کاغذ ہوا ہے۔

یہاں میں نے چند بنیادی اقدار کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل میرا منشا نہیں ہے۔ نہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کی روشنی میں تعلیمی کانفرنس کے شعبہ اسلامیات کے فرانس پر نظر ڈالنا شاید مفید ہوگا۔ اولین فرض تو یہ ہے کہ موجودہ زندگی کی ضرورتیں اس کے مسائل اور تقاضوں کو نظر میں رکھ کر اسلامی سوسائٹی کے جو بنیادی اقدار ہیں ان کی وضاحت اور ان کا تعین کیا جائے۔ اس کے ساتھ عام استعمال کے لئے اور خصوصاً مدارس کے لئے ایسی کتابیں تیار کی جائیں کہ ان کے ذریعہ یہ اقدار ہماری زندگی میں پیوست ہو جائیں۔ اب اس باب میں سب سے زیادہ توجہ میری ناچیز رائے میں دو چیزوں کی طرف دینا ضروری ہے اڈل قرآن دوسرے رسول مقبول کی سیرت۔ ہمارے اقدار کے یہی دو سرچشمے ہیں۔ اور انہی کی مدد سے ہم اپنی سوسائٹی کو اسلام کا رنگ دے سکتے

موجودہ نے یہ چند سال قبل کیا تھا اور اب تو خدا کے فضل سے موجودہ حکومت نے تھوڑے ہی دنوں میں بہت کچھ کر دکھایا۔ ملک اقتصاد ترقی کر رہا ہے اور سوسائٹی کا نقشہ بدلتا ہو گیا ہے۔ اور ترقی کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔ اور میں اس سے خوش ہوتی ہوں کہ ملک کے نظام کو نئے قالب میں ڈھالتے وقت ہمارے صدر مملکت اور ان کے دوسرے رفقاء کار کا یہ اہم چیز بھی ہے کہ نظام تعلیم کو یکسر بدل دیا جائے۔ اور اس میں اصلاحی انقلاب لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نیک ارادوں میں برکت ڈالے اور اپنی مہربانیاں کی توفیق دے۔

شیخ الاسلام امام المحدثین ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کے حالات

ولادت ۱۹۲ھ — وفات ۲۵۶ھ

کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ اور آپ کا نام اور شجرہ نسب یہ ہے محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ۔ امام بخاریؒ کے دادا ابراہیم کے دادا بُردزبہ مجوسی مذہب پر تھے۔ اور اس دین مجوسی پران کا انتقال ہوئے۔ بردزبہ دہقان بخارا کی لغت میں کاشتکار یا کارندہ کو کہتے ہیں۔ اس بردزبہ کے بیٹے مغیرہ اُس وقت کے حاکم بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ اور اس زمانہ میں عرب میں یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا تو اس کے ساتھ اُس کا ایک خاص ربط و تعلق قائم ہو جاتا تھا جس کو وہ دلاء کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔ اور جیسا کہ عشق و محافت کے حدود ان کے ہاں وسیع تھے اسی طرح اس دلاء کی شاخیں بھی دُور دُور تک پھیلی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ اس دلاء کے وشے سے وہ اپنی نسبت قائم کرتے تھے۔ چنانچہ یمان جعفی کے ہاتھ پر مغیرہ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اُس کو بھی بطور دلاء جعفی کہنے لگے تھے۔ اور پھر اسی تعلق کی بنا پر مغیرہ کے پڑپوتے یعنی حضرت امام بخاریؒ کو بھی جعفی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر امام بخاریؒ کا نام اور شجرہ نسب بیان کرتے وقت یہی کہا جاتا ہے۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ تو درحقیقت امام بخاریؒ خود نسباً جعفی خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ دلاء کے لحاظ سے یمان جعفی کی وجہ سے جعفی کہلاتے ہیں۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مستند مجموعے موجود ہیں ان سب میں صحیح بخاری سب سے بڑھ کر صحیح اور مشہور و معروف ہے۔ اس مجموعہ احادیث کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی روئے زمین پر موجود ایک ایسی کتاب جو اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس قرآن مجید کے بعد دنیا بھر کی ساری کتابوں سے بڑھ کر صحیح اور مستند ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت امام بخاریؒ کے مختصر حالات اس لئے آج کی صحبت میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں کہ ایک تو ان آئمہ صالحین اور اسلاف کرام کا ذکر رحمت الہی کے نزول کا باعث ہوتا ہے اور اس طرح ہم اور آپ سب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور روحانی برکتوں سے نوازے جائیں اور دوسری بات یہ کہ ان مختصر احوال و سوانح سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ حضرات محدثین کرام کی اس پاکیزہ جماعت نے کس قدر سعی و محنت اور خلوص و تلبیت کے ساتھ احادیث کے ان مجموعوں کو مرتب فرمایا۔ اور انہوں نے کس گرجوشی اور تن دہی کے ساتھ دین کی یہ عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ اور انہی حضرات کی ان محنتوں اور کوششوں کا اثر ہے کہ آج ہم اپنے پیارے اور محبوب آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے تمام احوال و واقعات جانتے ہیں۔ اور معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا عمل فرمایا اور کیا کیا ارشاد فرمایا۔

امام بخاریؒ کا نام و نسب | امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ ولادت۔ امام بخاری ۱۳ اشوال ۱۹۴ھ کو حمہ کے دن نماز جمعہ کے بعد نواحی بخاری میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کمزور جسم کے تھے نہ دراز قامت تھے نہ کوتاہ قد بلکہ درمیانہ قد قامت رکھتے تھے۔ دنیا میں اگر آپ ابھی اچھی طرح آنکھیں کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ آپ کی بیانی نرالی ہو گئی۔ اس وجہ سے آپ کی والدہ کو اس حادثہ کا سخت صدمہ ہوا اور بہت بے چین و پریشان ہوئی۔ بارگاہِ ایزدی میں روئیں۔ غمزہ انکار کے ساتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگیں۔ متواتر آہ و زاری اور پے درپے دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کا دروازہ کھول دیا۔ ایک رات کو ان کی والدہ ماجدہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہی گریہ و زاری اور دعا کے سبب تیرے فرزند ارجمند کو بصارت غایت فرمائی ہے۔ جب صبح کو خواب سے بیدار ہو کر اٹھیں تو اپنے محنتِ جبکہ اور نور نظر کی آنکھوں کو روشن و بینا پایا۔

بخاریؒ کو احادیثِ رسول اللہ یاد کرنے کا شغف و شوق بچپن ہی سے تھا۔ چنانچہ دس سال کی عمر میں یہ حالت تھی کہ کتب میں جس جگہ پر حدیث کا نام سنئے فوراً اس کو یاد کر لیتے خطیب بغدادی نے امام بخاریؒ کے طلب حدیث کے حالات خود ان کی زبانی اس طرح نقل کئے ہیں کہ مجھے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے حفظ حدیث کے لئے بنایا تھا۔ ابھی میری عمر دس سال ہی کی تھی کہ میں محدثِ عصر داحلی کے حلقہٴ درس میں شریک ہوا کرتا تھا ایک دن ان کی زبان سے یہ سند نکلی سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیمؒ میں نے فوراً ٹوکا اور عرض کیا کہ حضرت ابوالزبیرؒ تو ابراہیمؒ سے روایت نہیں کرتے۔ داحلی نے مجھے جھڑک دیا۔ میں نے پھر گزارش کی کہ آپ ذرا اصل کتاب کی طرف تو مراجعت کیجئے

چنانچہ داحلی مکان کے اندر تشریف لے گئے اور انہوں نے جا کر اصل کتاب دیکھی۔ اور واپس آکر مجھ سے فرمایا کہ بے شک میں نے اس وقت جو کہا تھا وہ تو غلط نکلا۔ اب آپ بتلائیں کہ صحیح کس طرح ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت ابراہیمؒ سے روایت کرنے والے زبیرؒ ہیں اور یہ عدی کے فرزند ہیں۔ ابوالزبیرؒ نہیں۔ داحلی نے اسی وقت قلم اٹھا کر اپنے نسخہ کی اصلاح کر لی۔ اور فرمایا کہ واقعی جو کچھ تم نے کہا وہی درست تھا۔ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔

جب بخاری سولہ سال کے ہوئے تو اپنے عبداللہ بن المبارک کی حدیث کی تمام کتابیں بالکل یاد کر لیں۔ اور حضرت دحیحؒ کے نسخے بھی ازبر کر لئے۔ پھر اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ہمراہ آدھ جج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ جج سے فراغت پائی تو ان کی والدہ اور بھائی وطن واپس چلے آئے اور وہ خود بلادِ حجاز میں طلب حدیث اور تکمیل کی خاطر رک گئے۔ جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو اپنے وہاں سلسلہ تصنیف و تالیف شروع کیا۔ اور فضائلِ صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال کا ذخیرہ فراہم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کو ایک مجموعہ کی شکل دے کر اور مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر کتاب التاریخ کا مسودہ شروع کر دیا۔ آپ راتوں کو چاند کی روشنی میں لکھا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اس تاریخ میں کوئی نام بھی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں ایک طویل قصہ مجھے یاد نہ ہو۔ اگر کتاب کی طوالت اور شاگردوں کے طویل خاطر اور اکتاہٹ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان تمام قصوں کو اس تاریخ میں لکھ دیتا۔

حاشیہ ابن اسماعیل (جو امام بخاریؒ کے زمانہ کے ایک محدث ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ بخاریؒ طلب حدیث کے لئے ہمارے ساتھ

ساتھ یہ بزرگانہ علم دیکھ دیکھ کر دنیا حیرت میں مبتلا تھی۔

بصرہ میں ایک مجلس امتحان کا تذکرہ
ایک مرتبہ آپ بصرہ میں داخل ہوئے تو اسی وقت امام بخاریؒ، امام بخاریؒ کا شو روغن پر گیا۔ ہزاروں نظر

فقہاء و محدثین جمع ہو گئے۔ اور ان تشنگان علم نے فوراً مجلس استفادہ آراستہ کرنے کا بندوبست کر دیا۔ اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر باادب اپنی درخواست پیش کی۔ امام ہمارے فرمایا کہ میں ابھی بہت نو عمر ہوں۔ اور تم مجھ سے ایسی بڑی ادر اہم فرمائش کرتے ہو اچھا تو میں خود تمہارے شہر ہی کی ایسی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کر دوں گا کہ انہیں سن کر تم بھی جدید فوائد حاصل کر دو گے۔ یہ کہ کہ حدیث "المراء مع من احب" سنائی۔ اور فرمایا کہ میں اس حدیث کو سالم سے بہ واسطہ منصور نقل کر رہا ہوں۔ اور تمہارے شہر میں یہ روایت سالم کے علاوہ دوسرے اور اشخاص سے روایت کی جاتی ہے۔ اس لئے تم کو یہ نفع ہو گا کہ اپنی سندوں کے ساتھ اس طریق کو بھی مثال کر لو۔ تاکہ اور موجب تقویت ہو۔ پوری مجلس میں امام بخاریؒ نے صرف اسی قسم کی حدیثیں سنائیں جو ان کے شہر میں مشہور تھیں۔ لیکن جب امام بخاریؒ نے ان کو روایت کیا تو ان کے لئے اس میں استفادے کا کوئی نہ کوئی جدید پہلو موجود تھا۔

بڑے بڑے اساتذہ و محدثین نے ان کے سامنے ایسے زمانے میں زانوئے تلمذتہ کیا تھا۔ جب کہ ان کے قرطاس و جوبہا ثواب کا ایک خط بھی نمودار نہ ہوا تھا۔ اپنے زمانہ کے مشاہیر جیسے ابو زرہ ابو حاتم، ترمذی، محمد بن نصر، ابن خزمیہ، اور امام مسلم صحیح مسلم کے علاوہ ان سے روایت کرتے تھے۔

امام بخاریؒ کی جلالیت قدر
ابراہیم خواص کہتے ہیں۔ کہ میں ابو زرہ کو امام بخاریؒ کے

مشائخ بخاریؒ کی خدمت میں آمد و رفت لکھتے تھے اور مجالس درس میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن ان کے پاس قلم و دوات یعنی لکھنے کا سامان کچھ نہ ہوتا تھا۔ ہم تو مشائخ سے احادیث سن کر ضبط تحریر میں لاتے تھے اور محفوظ کرتے تھے۔ مگر وہ کچھ بھی نہ لکھا کرتے تھے میں نے ان سے کہا کہ جب تم حدیث کو سن کر لکھتے تھیں تو خواہ مخواہ آنے جلنے اور شریک درس ہونے کا کیا فائدہ؟ اس طرح کا محض سننا تو ہوا کی طرح ہے کہ ایک کان سے گھس کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ یہ لوہہ دن کے بعد بخاریؒ نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت تنگ کر دیا ہے اور ہر روز ملامت کرتے ہو۔ اچھا اب لاؤ دکھلاؤ تم نے کیا لکھا ہے؟ آؤ اب میری یاد کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کر دو۔ اس مدت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں وہ لکھی ہوئی حدیثیں ہم نے سامنے رکھیں۔ امام بخاریؒ نے وہ تمام حدیثیں بر زبان اس طرح فر فر سنائیں کہ وہ ہمیں ان کی یادداشت سے اپنے اپنے نسخوں کی تصحیح کرنا پڑی۔ اس کے بعد امام بخاریؒ نے کہا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں عبث اور بے فائدہ سرگردانی کرتا ہوں؟ حاشا بر بن اہلیل کہتے ہیں کہ میں اُسی لذت کچھ گیا کہ یہ ہونہار ہیں۔ اور آگے چل کر کوئی ان سے مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

امام بخاریؒ کی اس خداداد ذہانت، ذکاوت و حفظ کا ہر طرف شہرہ ہو چکا تھا۔ اس لئے جہاں جہاں جاتے اس سے آگے ان کا نام پہنچ جاتا تھا۔ جب یہ تشریف لاتے تو عجب عجب انداز پر ان کے لئے مجالس امتحان مرتب ہوتیں اور ہر مجلس کے خاتمہ پر اہل مجلس کو یہ اعتراف کر کے کہنا پڑتا۔ کہ امام بخاریؒ کے منتسق اب تنگ جو کچھ مبالغہ آمیز تعریفی کلمات ان کے کانوں میں پڑے تھے وہ بھی ناقص تھے۔ امام بخاریؒ کی شان رفیع اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ ان کی نوعری، طفلانہ صورت اور پھر اس کے

یہ بات سب نے سنی۔ مگر دل میں اس کے اتری جس کے نصیب میں
یہ سعادت بعد ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ اس مجلس کے بعد ہی امام
بخاریؒ اس خدمت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور اس سلسلہ میں آپ
نے یہ خواب دیکھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
کھڑا بیٹھا جھل رہا ہوں اور مکھیاں اڑا رہا ہوں۔ من تعبیر کے ماہرین
سے جب اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے کلام سے کذب و افتراء کی مکھیاں اڑاؤ گے۔

(تاریخ خطیب ج ۲ ص ۸)

صحیح بخاری کی تالیف
مجموعہ کی ترتیب و تالیف کے لئے
میں شد اٹط کا التزام

حدیثوں میں سے جو ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں سخت سے سخت
شرط کے مطابق حدیثیں انتخاب کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں آپ
نے صرف ذکاوت و حفظ ہی کا ذکر فرمایا نہیں کیا۔ بلکہ خلوص نیت،
تقویٰ و طہارت کے آخری مرحلے بھی ختم کر ڈالے۔ یعنی جب کوئی
حدیث لکھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے غسل فرماتے، دو رکعت نماز
نفل ادا کرتے پھر کہیں کتاب میں ایک حدیث درج کر لیتے۔ اسی طرح
جب فقہی اور حدیثی اشارات کے لئے تراجم و ابواب قائم کرتے
اس وقت بھی یہی عمل کرتے۔ عبدالقدوس بن ہمام اپنے چند مشائخ
سے نقل فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الجامع الصغیر کے
تراجم "ریاض الجنۃ" میں بیٹھ کر لکھے ہیں۔ ریاض الجنۃ سے مراد
مسجد نبوی کا وہ مقدس و متبرک حصہ ہے جو مدینہ منورہ میں قبر
مبارک اور منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واقع
ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما بین بیتي
ومنبري روضة من رياض الجنة" اس قدر اخلاص،

سلسلے بچوں کی طرح عمل حدیث دریافت کرتے ہوئے دیکھا ہے
دارمی جو عمر میں امام بخاریؒ سے بڑے تھے مشہور محدث ہیں اور
امام بخاریؒ بھی جن کے خود مقتقد تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب
میں بڑے عالم، سب سے بڑے فقیہ اور علم کے لئے سب سے زیادہ
جفاکش امام بخاریؒ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک حدیث کے متعلق ان سے
پوچھا گیا اور یہ بتا دیا گیا کہ امام بخاریؒ اس کو صحیح فرماتے تھے تو
دارمی نے بے ساختہ یہ الفاظ کہے :-

"بخاری فن حدیث میں مجھ سے کہیں زیادہ بصیرت
رکھتے ہیں۔ خدا کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر عقلمند
ہیں اللہ تعالیٰ کے ادا و نواہی کو انہوں نے خوب
ہی سمجھا ہے۔ جب قرآن پڑھنے بیٹھتے ہیں تو ہمہ تن
اس کے معنی سمجھنے میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے
امثال اور حلال و حرام کو اس طرح سمجھتے ہیں کہ کیا
کہنا۔" (مقدمہ بخاری)

مطالعہ حدیث میں شب بیداری
محمد بن ابی حاتم وراق
بخاری اور محمد بن
یوسف زہری (صاحب نسخہ بخاری) اپنا چشم دید واقعہ بیان
کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ ایک رات میں پندرہ پندرہ ادبیں پس
مرتبہ اٹھاٹھ کچراغ روشن کرتے حدیث کا مطالعہ کرتے اور
پھر سوجلتے (تاریخ خطیب ج ۲ ص ۱۳ و ۱۴)

تالیف بخاری کا سبب
صحیح بخاری کی تالیف و تصنیف
کا واقعہ خود ان سے اس طرح
منقول ہے :- کہ ایک دن وہ اسحاق بن راہویہ (مشہور محدث و
فقیہ) کی مجلس میں حاضر تھے کہ امام اسلمی نے فرمایا: کاش تم حدیث
کی کوئی ایسی کتاب جمع کرتے جس میں صرف صحیح صحیح حدیثیں ہوتیں۔

تن دہی۔ جان کاری اور ریاضت کے ساتھ سو سال کی مدت میں یہ عظیم الشان اور عظیم النیر کتاب مکمل ہوئی۔ اور صفحہ ہستی پر ایک ایسی تصنیف وجود میں آگئی جس کا لقب کسی تہود کے بغیر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ قرار پایا۔ امت کے لاکھوں اور کھڑوں محدثین و علماء نے سخت سے سخت کوششیں کیں اور کوشش کے بعد وقف و ارسال کی اصطلاحی بحثیں چھیڑی گئیں مگر جو لقب اس تصنیف کا مشہور ہو چکا تھا وہ پھر کی لکیر تھا نہ مٹا تھا نہ ملتا

خلوص نیت کے آثار و برکات

جو کتاب اس قدر اتنی احتیاطوں اور پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر ان مقدس مقامات میں تصنیف کی گئی تھی۔ اس میں برکت کا یہ عالم ہوا اور حسن نیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ تیسے ہزار اشخاص نے اس کتاب کو بلا واسطہ خود امام بخاری سے سنا۔ آپسے روایت کرنے والوں میں سے سب آخری اور شہید فریبی ہے۔ اور آج کل ان کی روایت ہی علو اسناد کی وجہ سے شائع اور مشہور ہے۔ اس اہم ترین دینی کتاب کی ۵۳ شرمیں بھی گئیں۔ جن میں بعض شرح چودہ چودہ ضخیم جلدوں کی ہیں۔ ۷۷ مستخرج لکھے گئے۔ محدثین کو چھوڑ کر بخاریوں اور مصنفین نے بھی اعراب و تفریع کی جو خدمت بن پڑی۔ حتیٰ کہ جب متون و تراجم اعراب و نسخ کی تمام خدمتیں ختم ہو گئیں۔ تو خدمت بخاری کی فہرست میں نام درج کرنے والے مشتاقوں نے قرآن کریم کی طرح اس کے حروف تہجی ہی شمار کر ڈالے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کے آثار و قبولیت دنیا میں بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

بخاری شریف کی علمی خصوصیات کے متعلق اگر کچھ لکھا جائے

تو بغیر کسی مبالغہ کے اس کے لئے ایک مستقل تصنیف و کار ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا بعض خواص کے ذہن میں بھی آتا ہی ہے کہ یہ کتاب صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور بس لیکن جن کو کتاب بخاری پر کافی غور و مطالعہ کا وقت ملا ہے۔ انہیں یہ کتاب اصول و عقائد، عبادات و معاملات، غزوات و سیر، اسلامی معاشرہ تمدن، سیاست و سلطنت کی ایک مختصر انٹیکلو پیڈیا نظر آتی ہے۔ حجت الاسلام امام المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم نافر تو ہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جملہ منقول ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ قرآن مجید، صحیح بخاری اور مشکوٰۃ مولانا روم البسیلی کتابیں ہیں۔ امام بخاریؒ کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ میں نے اللہ کے فضل و کرم سے کسی کی غیبت و بدگویی نہیں کی۔ سبحان اللہ کس قدر تعفف اور تواضع تھا۔ سیرت و اخلاق کی اسی پاکیزگی اور طہارت نفس ہی کا یہ اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی اتنی بڑی خدمت لی۔ اور دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمایا۔ (قدس اللہ روحہ)

امام بخاریؒ کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ عربین خودداری حفص اشتر کہتے ہیں کہ بصرہ میں وہ اور ہم ساتھ ہی علم کی تحصیل کرتے تھے۔ ایک دن امام بخاری درس میں آئے۔ ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس تن پوشی کے لئے کپڑے نہیں ہیں۔ لیکن امام نے اس مرحلہ پر بھی اپنی فطری نیرت کی قربانی برداشت نہ کی اور اپنے بے تکلف رفقائے بھی اس راز کو راز ہی کے درجے میں رکھا۔ ان کا یہ حال دیکھ کر فوراً کپڑے مہیا کئے گئے۔ اس کے بعد امام بخاریؒ پھر اسی طرح

۱۔ تاریخ خطیب جلد ۲ ص ۱۴۲ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مظلہ العالی نے لکھا ہے کہ حضرت اتاذ مولانا سید اندشہ صاحبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ یہ نسخہ میں نے خود دیکھا ہے بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ میرے پاس موجود ہے (ترجمان السنہ)

بابندی کے ساتھ درس گاہ میں آنے لگے۔

ابتلاء و امتحان | سلف صالحین اور بزرگان دین ہمیشہ مختلف قسم کی آزمائشوں سے آزمائے گئے ہیں۔

طریقہ صالحین کے مطابق امام بخاریؒ کو بھی محنت و ابتلاء پیش آیا۔ خالد بن احمد ذہلی امیر بخاریؒ نے اُن کو اس امر کی تکلیف دینی چاہی کہ اس کے مکان پر آکر اس کے بیٹوں کو جامع و تاریخ اور دوسری کتابوں کا درس دیں۔ بخاریؒ نے جواب دیا۔ کہ یہ حدیث رسول اللہ کا علم ہے میں اس کو اس طرح ذیل کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تم کو غرض ہے تو اپنے بیٹوں کو میری مجلس میں بھیج دیا کرو۔ تاکہ دوسرے طلبہ کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں۔ امیر نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو جن وقت میرے بیٹے آپ کے پاس آئیں آپ دوسرے طلبہ کو اپنی خدمت میں نہ آنے دیں۔ میرے دربان اور چوب دار دروازہ پر تعینات رہیں گے۔ میری امیرانہ حیثیت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ جس مجلس میں میرے بیٹے موجود ہوں وہاں جولاہے ڈھینے بھی اُن کے ہم نشین ہوں۔ بخاریؒ نے اس کو بھی متبول نہ کیا اور فرمایا کہ یہ علم پیغمبر کی میراث ہے۔ اس میں امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں۔ اس میں ساری اُمت شریک ہے۔ کسی کو کوئی خصوصیت نہیں۔ اس گفت گو سے امیر نڈر بخاریؒ سے رنجیدہ ہو گئے۔ آپس میں تعلقات خراب ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ یہ ناگواری بڑھتی رہی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُس امیر نے ابن ابی الورد تار اور اس وقت کے دوسرے علمائے ظاہری کو اپنے ساتھ لایا۔ اور امام بخاریؒ کے مسلک پر طعن کرنے لگے۔ اور اُن کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضر نامہ تیار کر لیا۔ اور امیر نے کوشش کی کہ اس ملک میں لوگ امام بخاریؒ سے احادیث کا سماع نہ کریں۔ مگر لوگ آپ کی بہت تعلیم و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ

لکھا ہے کہ جب امام بخاریؒ بلاد عرب سے اپنے وطن بخارا لوٹ آئے تھے تو لوگوں نے آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا تھا اور آپ پر سونا چاندی نثار کر دیا تھا اور آپ جامع مسجد میں بیٹھ کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تو ہزاروں لوگ سننے کے لئے اس مجلس درس میں شامل ہوتے۔ غرض یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے ہاں آپ کی بہت قدر و منزلت تھی مگر امیر خالد نے چاہا کہ لوگ آپ سے کٹ جائیں۔ جب اس مقصد میں اُسے کامیابی نہ ہوئی تو آخر حکما اُن کو بخارا سے نکال دیا۔ امام بخاریؒ اپنے شہر بخارا سے روانہ ہوئے اور انہوں نے جناب الہی میں دُعا کی کہ اے اللہ۔ ان لوگوں کو اُس بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھ کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں ابھی ایک ماہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ خالد بن احمد معزول ہوئے امیر ابن طاہر کا حکم پہنچا کہ اُس کو گدھے پر سوار کر کر شہر میں گھمایا جائے۔ اس کی امارت و سرداری ختم ہوئی۔ تباہ حال ہوا۔ اور بخارا میں قید خانہ میں ڈالا گیا۔ اور اسی حالت میں وہ مر گیا۔ اور جتنے لوگوں نے امام بخاریؒ کو وطن سے نکلنے میں اُس کا ساتھ دیا تھا وہ سب مبتلائے مصائبِ آلام ہوئے اور تباہ و برباد اور رسوا ہو گئے۔ چنانچہ حرث بن ابی الورد تار کو بھی بے حد رسوائی اور فحیشت کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ اور اس کا سارا وقار خاک میں مل گیا۔

امام بخاریؒ جب بخارا سے جلا وطن کئے گئے تو اس بے بسی کی حالت میں پہلے نیشاپور گئے جب وہاں کے امیر سے بھی نہ بنی تو وہاں سے حاجت کر کے ایک چھوٹے سے گاؤں خرنگ تشریف لائے جو بحر قند سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہاں رہائش اختیار کی خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و بردار سے مائے پھر کر ہزاروں مصائب جھیل کر حاصل کیا

اور جب اُس بے بہا خزانہ کو اپنے سینہ میں جمع کر لیا تو اپنے مورث اقدس کی طرح ہر خاص و عام کے سامنے اس کو بے منت نہایا۔ اس کی خود عزت کی دُنیا کی نظروں میں اس کا احترام قائم کیا۔ اور اس کے احترام کی خاطر وطن سے بے وطن ہوئے۔ جان سے دی۔ تکلیف برداشت کی۔ مگر علم کی آن بان اسی طرح قائم رکھی۔

ساختہ وفات | عبدالواحد طوسی نے جو اس زمانہ کے صلحاء اور

اکابر اولیاء میں سے تھے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے برسرِ راہ منتظر کھڑے ہیں۔ انہوں نے سلام کر کے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس کا انتظار ہے۔ آپ نے فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند روز بعد ہی میں نے بخاری کی وفات کی خبر سنی۔ جب میں نے لوگوں سے وقت وفات کی تحقیق کی تو وہی ساعت معلوم ہوئی جس میں میں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں منتظر دیکھا تھا۔

آپ جلا وطنی کے ان ایام میں اس چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں مقیم تھے کہ بیمار ہو گئے۔ اور چند روز بیمار رہنے کے بعد ۲۵۶ھ میں شنبہ کی رات کو جب کہ وہ عید الفطر کی رات بھی تھی عشاء کی نماز کے وقت اس دنیائے فانی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عید کے دن یکم شوال کو نمازِ ظہر کے بعد آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ اور وہیں دفن کئے گئے۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں تین سفید کپڑے ہوں جن میں نہ عمامہ ہونہ سلی ہوئی قمیص ہو جیسا کہ احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے بارے میں مروی ہے۔ اس وصیت کے مطابق آپ کو کفن دیا گیا۔ دفن کئے جانے کے بعد آپ کی قبر مبارک سے مشک و عنبر سے زیادہ عمدہ خوشبو چھوٹی تھی۔ اور قبر کے ارد گرد دُور کے شے

نظر آ رہے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔ وحین مادفن فاحت من قبرہ رائحة غالية اطيبت من ريح المسک ثم دامت ذلک اياماً ثم جعلت تری سوری بیض بحدار قبرہ (تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷)

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ قبر مبارک کی مٹی سے عمدہ خوشبو چھوٹنے کا ماجرا دیکھ کر لوگ ٹوٹ پڑے اور اس مٹی کو تبرک سمجھ کر لوٹ لوٹ کر لے جانے لگے۔ حتیٰ کہ مزار مبارک کا نشان باقی رکھنے کے لئے یہ انتظام کرنا پڑا کہ اس مٹی کو لوگ نہ لے جاسکیں۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدظلہ العالی نے لکھا ہے کہ لوگوں کو اس مٹی کی خوشبو پر تعجب ہو گا لیکن میں اس پر کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ

جمالِ ہمیشہ درمن اثر کرد و گردن من ہماں خاکم کہ ہستم
امام بخاریؒ کی عمر ۶۲ سال کی ہوئی چنانچہ آپ کی ولادت، عمر، اور وفات کے بارے میں کہا گیا۔

ولد فی صدق وعاشی حمیداً ومات فی نور
اس جلد میں صدق کے اعداد ۱۹۴ ہیں جو سنہ ولادت ہے حمید کے اعداد ۶۲ ان کی عمر ہے اور نور کے اعداد ۲۵۶ آپ کی وفات کا سن معلوم ہوتا ہے۔

ایک شخص نے امام بخاریؒ کی ولادت، وفات، اور سنین ہجر کو اس طرح نظم کیا ہے

کان البخاری حافظاً ومحدثاً جمعاً بصیح ممل المتحریر
بخاری حافظ حدیث اور محدث تھے انہوں نے ایسی صحیح کو جمع کیا جو اس اور صحیح
میلادہ صدق ومدۃ عمر فیما حمید وانقضى فی نور
ان کا سال ولادت صدق مدت العمر حمید ہے اور سال وفات نور ہے

آنحضورؐ کی پیدائش اور وفات - ایک تحقیقی مقالہ

ڈاکٹر شہید اللہ پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی

یہ مقالہ جناب ڈاکٹر شہید اللہ نے انگریزی میں لکھا ہے۔ اس کے اندر حضور سرور کائنات کی پیدائش اور وفات کے بارے میں بعض بڑی گہری علمی بحثیں کی گئی ہیں۔ قارئین کے استفادہ کیلئے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

(روزنامہ کوہستان لاہور سے نقل کر دیا)

کے ماہر تھے۔

مؤرخین میں ابن خلدون اور طبری نے ۱۲ ربیع الاول کو آنحضورؐ کا یوم ولادت قرار دیا ہے بعض نے ۱۲ ربیع الاول کو حضورؐ کا یوم پیدائش بتایا ہے۔ حافظ نے ۱۲ ربیع الاول کا تذکرہ کیا ہے۔ جدید دور کے مؤرخین میں محمد طلعت بک حرب نے اپنی کتاب تاریخ دول الاسلام میں تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول ۵70 کی ہے۔ یہ تاریخ مصر کے مشہور ماہر فلکیات محمود پاشا فلکی کی تحقیقات کے مطابق ہے۔ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد اکرم اور بعض دیگر سیرت نگاروں نے پاشا فلکی کی تحقیق کو اپنایا ہے۔ لیکن چند کے علاوہ کوئی جدید مورخ ۱۲ ربیع الاول کا تذکرہ نہیں کرتا۔ اس کے برعکس قلم مؤرخین حدیث کی اکثریت ۸ ربیع الاول کو تاریخ ولادت مانتی ہے مثلاً حمیدی، عقیل، یونس بن یزید، ابن حزم، محمد بن موسیٰ خوارزمی، عبد الخطاب، ابن تیمیہ، ابن قیم۔ ابن حجر عسقلانی، شیخ بذال دین حسینی وغیرہ جملہ مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ حضورؐ کی ولادت پیر کو ہوئی تھی۔

تمام پیروں اہل آرا کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری رائے میں یوم ولادت ۸ ربیع الاول ہونا چاہیے۔ ہمارے ذہن میں یہ بات رہی چاہیے کہ مختلف مقامات کے فاصلوں اور مسافتوں کے مطابق قری

اس زمانہ میں یہ ایک دستور سا بن گیا ہے کہ دنیا کے بیشتر حصوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ہی کو عام طور پر حضورؐ کا یوم وفات بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس دن کو فاتحہ دو ازیم بھی کہتے ہیں

لیکن حضورؐ کے سیرت نگار ان دونوں تاریخوں کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو عہد جاہلیگری کے بلند پایہ عالم حدیث تھے۔ آنحضورؐ کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ حضورؐ کی پیدائش کے بارے میں چار تاریخوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ۱۲، ۱۰، ۸، ۷ ربیع الاول۔ انھوں نے ۱۲ ربیع الاول کے متعلق شیخ دہلوی لکھتے ہیں: اس کا تذکرہ شیخ قطیبی قسطلانی نے بھی کیا ہے اور بیشتر ماہرین حدیث کی آراء کے بھی مطابق ہے اسی کا تذکرہ ابن عباسؓ اور جابر بن مطعمؓ نے بھی کیا ہے۔ صاحب علم لوگوں کی اکثریت بھی اس بارے میں متفق رائے ہے۔ ابن حزم نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ قتائی نے اپنی کتاب عین المعانی میں لکھا ہے کہ آنحضورؐ کے تمام سانچہ نگار مسند پر متفق ہیں۔ الزہری نے جو اہل بیت کے سیرت نگار ہیں محمد بن جابر بن مطعم کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے۔ محمد بن جابر ایک مشہور نساب اور ایم عزت

میںوں کی تاریخوں میں فرق رہتا ہے۔ اس لیے پاشا فلکی نے جو تخمینہ لگایا ہے وہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ایک خطے کا فرق پڑ سکتا ہے اس طرح عیسوی سال کے مطابق ۱۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہونا چاہیے۔

وفات

وفات کے دن کے بارے میں بھی جملہ مؤرخین کا اتفاق رائے ہے کہ یہ پیر کا دن تھا۔ البتہ تاریخوں کے بارے میں اختلاف ہے۔

دانتی، ابن سعد اور ابن اسحاق کے نزدیک تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہے۔ ابن عقبہ، ابو نعیم اور خوارزمی تاریخ وفات یکم ربیع الاول قرار دیتے ہیں۔ ابو مخنف کلبی اور ابن تیمیہ وغیرہم کے نزدیک یہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول کی ہے ابن حجر نے بھی ۱۲ ربیع الاول کو ہی قبول کیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے یکم ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ علم فلکیات سے بھی یہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کہ اس پیر کو یکم ربیع الاول ہی تاریخ تھی۔

یہ تمام لوگوں کے نزدیک مسلم بات ہے کہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع ۹ ذی الحجہ ۱۱ ہجری کو سرانجام دیا۔ اور یہ جمعہ کا دن تھا اس تاریخ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری تک حساب لگا کر دیکھئے تو آپؐ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کونسی رائے قرین قیاس اور قابل قبول ہے ہمارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیے کہ قمری مہینہ ہمیشہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح اگر آپؐ حساب لگائیں تو پیر کو ۱۲ ربیع الاول کسی صورت میں نہیں آئے گا۔ ۱۲ ربیع الاول بھی یوم وفات اسی طرح قرار پائے گا کہ آپؐ تینوں مہینوں ذی الحجہ، محرم اور صفر کو متواتر ۲۹ کا مانیں حالانکہ یہ خلاف معمول ہے۔ ایک اور جدید مؤرخ نے ۱۳ ربیع الاول کو تاریخ وفات قرار دیا ہے۔ یہ بھی خارج از

بحث ہے۔ کیونکہ ۱۳ ربیع الاول کو پیر اس صورت میں پڑے گا جب مذکورہ بالا تینوں مہینوں کو آپؐ متواتر ۳۰ دن کا مانیں۔ یہ بھی خلاف معمول ہے۔ اس لیے یکم ربیع الاول ہی وہ تاریخ رہ جاتی ہے جس کی ہر قرینہ اور دلیل تائید کرتی ہے۔ ذی الحجہ سے لے کر ربیع الاول تک کا حساب کرنے کے بعد یکم ربیع الاول کو پیر کا دن پڑتا ہے۔ اس تاریخ کی توثیق ایک اور ذریعہ سے کی جاسکتی ہے۔ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ دوسری سورت مکی آیت ۲۸۱ آنحضرتؐ پر حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ ۸۱ روز بقید حیات رہے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۱ ہجری کو حساب لگائیے تو ۸۱ دن یکم ربیع الاول (پیر) تک ممتد ہوں گے۔ (۲۱ ذی الحجہ کے ۳۰ دن محرم، ۲۹ دن صفر کے اور ایک دن ربیع الاول کا۔ ۸۱ دن) ایک اور شہادت بھی موجود ہے جس سے مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کا آخری چہار شنبہ صفر میں پڑا تھا۔ اگلی جمعرات کو آپؐ نے مغرب کی نماز کی امامت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے سترہ نمازوں کی امامت کی۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات یکم ربیع الاول قبل از ظہر ہوئی (۴ نمازیں جمعہ کی ۵ ہفتہ کی۔ ۵ آوار کی اور تین پیر کی۔ کل ۱۴) اس طرح چہار شنبہ کی تاریخ ۲۵ صفر ہونی چاہیے۔ اور مہینہ ۲۹ دن کا۔ ایسا آخری شہادت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے صاحبزادے حضرت تقیؑ ابراہیم کی وفات ۲۹ شوال ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ اس دن سورج گرہن تھا۔ علم فلکیات کے مطابق یہ جنوری کی ۲۷ تاریخ اور ۶۳۲ ہجری ہونا چاہیے۔ اس حساب سے بھی آپؐ کی وفات کا دن پیر اور تاریخ یکم ربیع الاول ہی بنتی ہے۔

دربارِ نبویؐ کے معمولات

گئی ہے۔

حضور اہل حاجت کو اپنی حاجتیں پیش کرنے کا موقع بخشتے تھے جب تک بولنے والا چپ نہ ہو جاتا حضورؐ اس کی بات سنتے رہتے، بعض اوقات بولنے والا بولے چلا جاتا تو اسے انگیز کر لیتے تھے۔

قبیلوں کے سردار آجاتے تو حضورؐ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے حضورؐ کا ارشاد ہے: اَكْرَمُكُمْ كَرِيمُكُمْ قَوْمُهُ بِرَقَمِ كَعِ مَعْرُزِينَ كِي عَرْتِ كَرُوْا دِلْسِي اِزْوَاهِ شَفَقَتِ اِپْنِي مِثِي حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے اپنی انا ربی بی سلیمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی اٹھ کر چادر بچھا دی تھی۔ اور حضرت حلیمہ کے فرزند تشریف لائے تو ان کے لیے بھی کھڑے ہو گئے تھے مگر اس قسم کی تعظیم و تکریم جو بادشاہوں اور امراء و سلا کے ہاں رائج تھی (اور آج تک رائج ہے) اس کی حضورؐ نے شدت سے مذمت فرمائی ہے، مثلاً ایک شخص کے آنے پر تمام حاضرین کا کھڑے ہو جانا یا ایک شخص بیٹھا ہو اور حاضرین اس کے سامنے دستہ بستہ کھڑے رہیں۔ گویا اللہ کے سامنے قیام کر رہے ہیں حضورؐ نے اس قسم کی تعظیم و تکریم کو منع فرمایا ہے حضورؐ کا ارشاد ہے جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم کھڑے رہیں اسے اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرنی چاہیئے، باتیں پوچھنے والوں کو حکم تھا کہ بیٹھ کر پوچھو کھڑے رہ کر مت پوچھو۔

حضورؐ حاضرین کے ساتھ بے تکلف اور شگفتہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہی اور ظرافت کلمات اگر آداب اور تہذیب کے خلاف نہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ سوالات صرف تزکیہ نفس کے متعلق کیے جائیں اور لغو اور فضول سوالات پسند نہیں فرماتے تھے مگر لغو اور فضول سوالات کو بھی برداشت ضرور کر لیتے تھے ایک دفعہ المبتہ حضورؐ نے اتنا کہا تھا۔ کہ پوچھتے جاؤ جو پوچھنا ہے۔ میں سب کا جواب دوں گا۔ اور صحابہ نے محسوس کیا تھا کہ حضورؐ برہم ہیں۔

کوئی آداب مجلس سے ناواقف دورانِ تقریر میں یاد دوسرے کا جواب دیتے دت سوال کرتا تھا۔ تو حضورؐ تقریر ختم کر کے سوال کی طرف توجہ فرماتے تھے ایک وقت میں ایک ہی شخص گفتگو کر سکتا تھا۔

ایک بار حضورؐ تقریر فرما رہے تھے کہ ایک گنوار (بدو) آیا۔ اور آتے ہی بولا قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ تقریر کرتے ہوئے تقریر سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا قیامت کی بابت کس نے سوال کیا تھا؟ بدو نے کہا میں نے حضورؐ نے جواب فرمایا قیامت جب آئے گی جب لوگ امانت ضائع کرنے لگیں گے۔ بدو نے پوچھا امانت کیوں کر ضائع ہوگی۔ سنر مایا جب کام چاہوں گے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔

یہی بدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتے بیٹھتے میز سے سیکھ جاتے تھے۔

حضورؐ کے دربار میں نام و نسب یا دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو امتیاز نہیں دیا جاتا تھا۔ لیکن کچھ ایسا برتاؤ ہوتا تھا کہ ایک شخص بھی یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ مجھے دوسرے کی نسبت کم عزت ملی